THE 17TH CENTURY PHILOSOPHERS

THE AGE OF REASON

Stuart Hampshire

سترھویں صدی کے فلاسفر

دورِ شعور

ستوارٹ ہمپشائر

ترجمہ

ملک اشفاق

ستر ہویں صدی کے فلاسفر

THE AGE OF REASON

دورِ شعور
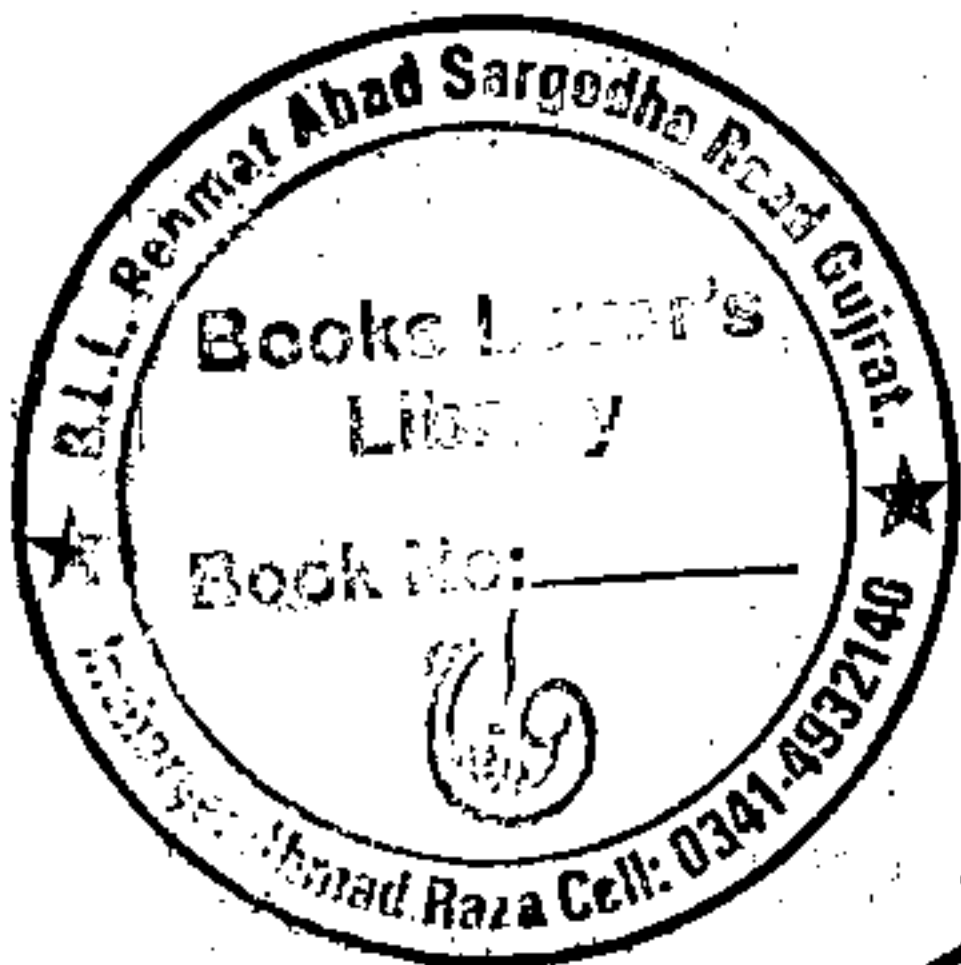
اسٹورٹ ہمپشائر

Stuart Hampshire

ترجمہ ملک اشفاق
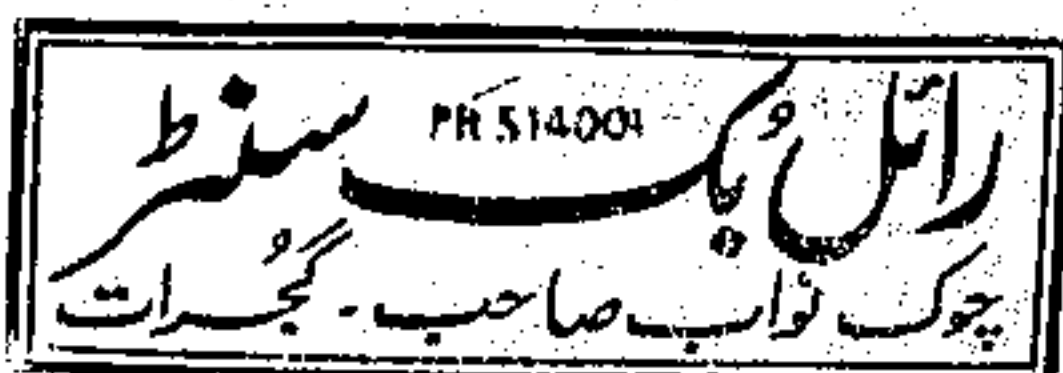
"THE AGE OF REASON"
by
"STUART HAMPSHIRE"
This is an authorised translation by "MALIK ASHFAQ"

نام کتاب	:	سترہویں صدی کے فلاسفر
مصنف	:	اسٹورٹ ہیمپشائر
اہتمام	:	محمد ہارون الرشید
پروڈکشن	:	شاہد محمود
کمپوزنگ	:	محمد ہارون الرشید۔ سی کمپیوٹرز فیصل آباد
پروف ریڈنگ	:	بلال
پرنٹرز	:	اے این اے پرنٹرز۔ لاہور
اشاعت	:	2005ء
پبلشرز	:	شہاب پبلشرز

پی ایم سنٹر گلی نمبر 11 فسٹ فلور منشی محلہ امین پور بازار فیصل آباد
فون: 0300-6662019 -0301-7053203

انتساب

خدابخش کے بابا

ڈاکٹر ظفراللہ سلیمی

کی علم دوستی

نام

ملک اشفاق

میں سچ کو بڑی سے بڑی خوشی پر ترجیح نہ دوں گا

تو میری زبان تالو سے چپک جائے گی

عقل و خرد کا ذکر جا بجا ستائش ہے

لیکن حکمت کہاں ملے گی؟

اور خرد کی جگہ کہاں ہے؟

نہ وہ سونے کے بدل مل سکتی ہے

نہ چاندی اس کی قیمت میں تلے گی

اور نہ قیمتی سلیمانی پتھر یا نیلم

بلکہ حکمت کی قیمت مرجان سے بڑھ کر ہے

نہ کوش کا پکھراج اس کے برابر ٹھہرے گا

نہ چوکھا سونا اس کا مول ہوگا

زبور۔نوحہ ایوب سے اقتباس

پبلشرز نوٹ

ملک اشفاق معروف ادیب اور مترجم ہیں۔ان کے تراجم ملک کے کئی معروف اشاعتی ادارے شائع کر چکے ہیں۔وہ ایک مستند مترجم ہیں لہذا زیرِ نظر کتاب ان کے ہنر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔کتاب دوست احباب یقیناً اس کو پسند کریں گے اور اپنی آراء سے ہمیں آگاہ کریں گے تاکہ ہم اپنے کام کو مزید بہتر کر سکیں۔

شاہد محمود، محمد ہارون الرشید

شہاب پبلشرز

بی ایم سنٹر فسٹ فلور

امین پور بازار فیصل آباد

عرض مترجم

سترہویں صدی جدید فلسفہ کی صدی تھی، دورِ وسطیٰ کے علمی نظریات زوال پذیر ہو رہے تھے، طبعی سائنس کے حوالے سے لاطینی، فرانسیسی، جرمن اور انگریزی میں فلسفیانہ نظریات کو حقیقی علم تسلیم کیا جارہا تھا۔

اس دورِ شعور میں فلاسفہ نے فطری ترکیب سے مابعد طبعیات کی اصطلاح سے فلسفے کی تشریحات شروع کیں۔ اس صدی کے فلاسفہ نے علمی نظریات میں سچ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے آزادی خیال کو ضروری قرار دیا۔ ان فلاسفہ نے حقیقی سچ کی تلاش کیلئے ریاضیاتی اصولوں کو اپنایا اور اس طرح قدیم دور اور وسطی دور کے فلسفہ کو تج کر جدیدیت سے ہم کنار کیا۔

اس کتاب کے مدیر اسٹورٹ ہمپشائر فلسفہ کے استاد اور معروف اسکالر ہیں۔ انہوں نے سترہویں صدی کے فلاسفہ کے کام پر ایک بھرپور تعارف بھی لکھا ہے جو کہ اپنی جگہ ایک خاص علمی چیز ہے۔ میں نے اس کتاب کا ترجمہ کر کے ایک روحانی تجربہ بھی حاصل کیا ہے، ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے اس کتاب کو پڑھ کر کہا تھا "میں آج اپنے آپ کو ایک نیا انسان محسوس کر رہا ہوں"۔

کیا الفاظ اور خیالات اتنے طاقتور بھی ہوتے ہیں کہ انسان کی شخصیت کو بھی تبدیل کر دیں؟

ملک اشفاق

1302۔ کلیم شہید کالونی فیصل آباد

دیباچہ

یہ بات حقیقت ہے کہ جب بھی انسانی ذہن گھٹن کا شکار ہوا تو اس نے اس گھٹن کے زیر اثر نئی منزلوں کی تلاش شروع کی۔ جب امید کی کوئی کرن نظر آئی تو اس جانب سفر تیز تر کر دیا پھر ایک نئی سحر نمودار ہوئی اور گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹ گئے۔ روایت پسندوں کی ہٹ نئی روشنی کے چاہنے والوں کی دیوار بن گئی اور پھر ایک کشمکش کے جان گسل مرحلے سے گزرنے کے بعد سچائی نمودار ہوئی۔

انسانی تاریخ فکری انقلابات سے بھری پڑی ہے۔ انسانی فکر کا ارتقاء ابتدائے افرینش سے جاری ہے اور دور حاضر تک کا سفر ایک عجیب وغریب کہانی ہے۔

علوم وفنون کی ترقی نئی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ علم کی اتنی زیادہ قسمیں اور فن کی اتنی زیادہ شاخیں موجود ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ معلومات کی بھرمار ہے اور کسی ایک شخص کا سارے علوم وفنون پر دسترس حاصل کرنا بہت دور کی بات ہے' ایک ہی فن یا علم پر معلومات کا ذخیرہ اتنا وسیع ہے کہ دنیا بھر میں تحقیق کے مراکز جن میں یونیورسٹیاں لیبارٹریاں اور دیگر تحقیقاتی اداروں میں لاکھوں سائنسدان رات دن کائنات کی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف ہیں۔

لیکن جو لوگ علم کی روشنی سے محروم ہیں اور تحقیق کے فن سے ناواقف ہیں وہ ابھی تک روایات کہنہ اور رسومات کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی خواہشات اور لذتوں کے حصول میں اس قدر مشغول ہیں کہ جرس کارواں سننے سے قاصر ہیں بلکہ وہ نوشتہ دیوار بھی نہیں پڑھ سکتے۔

ان اندھیروں کے باسیوں کی زندگی ان سولھویں صدی کے یورپی علماء کی مانند ہے جو کہ سقراط' افلاطون اور ارسطو کی روایتوں کو اپنا خدا بنائے ہوئے تھے اور تحقیق کرنے کو گناہ کبیرہ خیال کرتے تھے۔

لیکن سترہویں صدی کے فلاسفہ نے افلاطون اور ارسطو کے مقدس نظریات کو یک قلم رد کر دیا تو یورپ کے کلیساؤں میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان فلاسفہ کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا بلکہ کچھ فلاسفہ کو تو مذہب سے بھی خارج کر دیا گیا۔

یہ نظام فرانسس بیکن سے ہوتا ہوا ڈیکارٹ' ھابس' پاسکل اور گلیلیو تک ہم تک پہنچا' ان عظیم یونانی حکیموں نے یونانی فلسفہ اور اسلامی تحقیقات کی انتہا پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی اور پھر یہ لوگ فلسفے کو لیبارٹریوں اور کلاس روموں تک لے آئے۔ یہ فلاسفہ اندلس کے مسلم فلاسفہ سے متاثر تھے جنہوں نے اپنے فلسفہ کی بنیاد حقیقت پر رکھی' یہاں سے ایک ایسا دور شروع ہوا جسے ہم بہت آسانی سے انسانی رفعت اور نشاۃ ثانیہ کا دور کہہ سکتے ہیں۔

سائنس نے اس بلندی کو چھوا اور وہ فن بن گئی اور اس فن نے نئی جہتیں تلاش کیں کہ وہ سائنس بن گیا۔ شماریات یعنی Statistics کے علم کی مدد سے تحقیق اور تجربے کا ایسا نظام ترتیب پایا جس سے تجربات کو اعداد کی شکل میں محفوظ کر لیا گیا اور ایسی زبان ایجاد کی گئی جو عام فہم اور آسان تھی پھر ان مہارتوں کے حصول کے بعد دنیا بھر کے عظیم سائنسدانوں نے وہ سفر شروع کیا جس کی انتہا ہم آج دیکھ رہے ہیں۔

علم اور حکمت کو حاصل کرنے کے طریقے بتانے والے سترہویں صدی کے ان فلاسفہ کے کام کو ہم تک آسان فہم انداز سے پہنچانے کے لئے ملک اشفاق نے یقیناً بہت محنت کی ہوگی۔ ملک صاحب نے مضمون کی روح کو زخمی کئے بغیر نہایت مشکل اور عالمانہ اصلاحات کو قاری تک پہنچایا ہے۔ جس کے لئے وہ مبارک باد کے حق دار ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن خواجہ

ایم۔بی۔بی۔ایس' ڈی ڈرمیٹ (بنکاک) ایم۔پی۔ایچ (ملائیشیا)

جناح کالونی فیصل آباد

فہرست

فلسفہ کا تعارف

INTRODUCTION

فلسفہ انسانی ذہن کی مسلسل کاوش کا نام ہے اور اس کو تاریخ کے حوالے سے تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن تاریخی حوالے سے جو کہ گلیلیو (1564-1642) سے شروع ہوتا ہے اور لیبنز LEIBNIZ (1646-1716) پر ختم ہوتا ہے۔ یقینی طور پر بہت اہم ہے۔

یہ زمانہ جدید فلسفے کے حوالے سے عظیم الشان ترتیب میں بھی بہت اہم ہے، اسی فلسفے نے طبعی سائنس (Sience) کو بنیادیں فراہم کیں اور آخر کار اس دور کے فلسفہ نے دور وسطیٰ کے علمی نظریات کو زوال پذیر کر دیا جس کی بنیادیں ارسطیائی طریق پر تھیں۔ پوری کی پوری سولہویں صدی فہم و ادراک کی صدی قرار دی جا سکتی ہے۔

اس میں مختلف جگہوں اور مختلف مضامین میں وثوق کے ساتھ آزادی خیال کے ساتھ مخصوص حلقہ کی سوچ رکھنے والے مفکروں کو چیلنج کیا گیا۔

اس میں سولہویں صدی کے محاورے اور اسٹائل کو دیکھا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہ اس دور کے انسان کے ذہن کیسے تبدیل ہوئے اور انہوں نے اس کا اظہار کس طرح کیا۔

سولہویں صدی کی اصطلاحات اور الفاظ اب بھی رائج ہیں۔ جب ہم میکاولی، ارشمیدس اور مونٹین کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اس دور کی شاندار زبان کا لطف اٹھاتے ہیں ان مفکرین کی زبان اصول اور قاعدے پر مبنی ہے اور یہی بات اس دور کے فلسفہ اور موجودہ دور کے فلسفہ کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔

اس دور کے فلاسفہ قدیم دور کے یونان اور روم کے فلاسفہ کو اتھارٹی تسلیم کرتے تھے، ان کی گفتگو کا انداز بھی ہم سے مختلف تھا، وہ اپنی قومی زبان کو ہی ترجیح دیتے تھے۔

سترھویں صدی کا فلسفہ بھی لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی زبان کے حوالے سے ہم تک پہنچا۔ سترھویں صدی کے شروع تک بھی عالم فاضل لوگ لاطینی زبان کو ہی ادبی اور مستند زبان خیال کرتے تھے اور اسی زبان میں لکھتے تھے۔

لیکن بیکن اور ھابس نے اس جمود کو توڑا اور انگریزی زبان میں لکھنا شروع کیا۔ ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ مختلف قوموں کی زبانیں اس قدر مستحکم نہ تھیں اور نہ ہی اس قدر مقبول تھیں کہ ان میں فطری فلسفے کو بیان کیا جاسکتا ہے۔

صدیوں تک فلسفہ لاطینی زبان میں ہی بیان ہوتا رہا۔

ڈیکارٹ (1650ء - 1596ء) کو جدید فلسفے کا عظیم مفکر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ڈیکارٹ کے فلسفے کی روایت اب تک موجود ہے۔ ڈیکارٹ نے فلسفے کو بیان کرنے کا ایک تجریدی طریق ایجاد کیا جو کہ بہت ہی سادہ اور عام فہم تھا۔ اس کا ایجاد کردہ طریق لاطینی دبستان کے فلسفہ کی تکنیکوں سے آزاد تھا اور اس طرح ڈیکارٹ کا فلسفہ فرانسیسی ادب کا حصہ بن گیا۔ فرانسیسی زبان خود بھی یورپ کی مہذب ترین زبان بن گئی۔

فلسفہ انسانی علم کی حدود کی آزادانہ تحقیق کا نام ہے اس لئے عموماً تجربات اور حقیقت کی بنیاد پر تحقیق کی جاتی ہے۔ فلسفہ کسی بھی حالت میں انسانی ذہن کی قابل شناخت سرگرمیوں کے مطابق دو باتوں پر انحصار کرتا ہے۔ یعنی ایک طرف تو مذہبی عقائد اور اخلاقی نظریات پر تحقیق ہوتی ہے اور دوسری جانب مثبت علم پر تحقیق کی جاتی ہے۔

جب کہ مذہبی عقائد تیزی سے قائم ہوتے ہیں اور ان کو ناقابل چیلنج سمجھا جاتا ہے۔ مذہبی عقائد پر تحقیق کی حدیں بہت ہی محدود ہوتی ہیں اور اسی تحقیق کا نام فلسفہ ہے۔

جہاں کہیں پُراسرار یا مذہبی اور اخلاقی عقائد کے درمیان تصادم ہو تو فلسفیانہ مسائل کے حوالے سے فوری آزادانہ تحقیق کی جاسکتی ہے۔ سترھویں صدی کا زمانہ مذہبی تصادم کا

زمانہ تھا۔اس دور میں عیسائیت کی الہیات کا اکثر دفاع کیا جاتا تھا۔اس وقت عیسائیت کی بہت سی شکلیں تھیں اوران فرقوں میں اختلاف رہتا تھااس وجہ سے مشرقی یورپ کا اتحاد بکھر گیا تھا۔اسی وجہ سے سوچ رکھنے والے لوگ اس تبدیلی سے آگاہ تھے،اس وقت ہی مثبت علم کی جستجو ہوئی اور دنیا ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔

نئے دور کی بنیاد فطری علوم پر تھی اس دور کے عظیم فلاسفر،گلیلیو،کوپرنکس، کیپلر اور بہت سے دیگر فلاسفر تھے۔

☆☆☆

فلسفہ کے ذریعے سے آہستہ آہستہ یہ بات صاف ہونا شروع ہوگئی کہ فطری ذریعہ سے فطری قوانین سے انسان اور کائنات کو سمجھا جا سکتا ہے۔اس کو سمجھنے کے لئے ریاضیاتی اصول کو اپنایا جائے۔ارسطیائی نظریہ فطرت بطور نظام یا پیرشاہی نظام فطری اقسام میں سے تھا، اس دور میں اس نظام کو روحانی درجہ دیا جاتا تھا۔

جیسا کہ منطق کو صدیوں تک یورپ کے تعلیمی اداروں میں پڑھایا جاتا رہا اور اب بھی اس فطری نظریہ پر انحصار کیا جاتا ہے۔یہ منطق' قیاس منطقی تھا۔قیاس منطقی تو چیزوں کے درمیان فرق کو واضح کرتا ہے اور اس کی مشکل بحث سائنس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔سائنس کو تو ٹھوس اصولوں کی ضرورت ہے، جو کہ اشیاء کے جوہر کی اقسام کے درمیان فرق کو بیان کرے۔ٹھوس اصول' جوہر' اصلیت اور وصف اس کے علاوہ اصل اشیاء اور حادثاتی اشیاء ان چیزوں پر عالمانہ تحقیق کا نام ہی فلسفہ ہے۔موجودہ فلسفہ ارسطو کے فلسفہ کا ہی حاصل ہے۔

اگر فطری طریق سے خدا کے اس عظیم عجائب خانہ دنیا کی اشیاء اور تخلیقات کو دیکھا جائے تو قدرت کے کارخانہ کی یہ اشیاء ابدی لحاظ سے اپنی اپنی اقسام میں تقسیم ہیں۔کائنات

کی یہ اشیاء دراصل فطری علم کے حوالے سے ایک دوسری سے مربوط ہیں فطرت کو اگر ریاضیاتی اصولوں سے سمجھا جائے تو فطرت کے قوانین کا خلاصہ واضح ہو جائے گا۔

لیکن اگر اس کائنات اور فطرت کو منطق سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو پھر ان اصولوں کا اطلاق سائنس پر نہ ہوگا کیونکہ منطق سے ان اشیاء کے خواص اور وصفوں میں کوئی امتیاز نہ ہوگا ہمیں ایسے منطق کی ضرورت ہوگی جو کہ ریاضیاتی اور فطری علم پر مبنی ہو۔ فطری سائنس کے اصول مسلمہ ہوتے ہیں جس طرح کہ ریاضی کے اصول۔

قوانین حرکت کو اگر عام فہم اصطلاحات میں پیش کیا جائے تو فطری مظاہر کی تشریح کی جا سکتی ہے۔

☆☆☆

یہ مسلمہ قوانین صرف انفرادی قسم کی اشیاء پر ہی لاگو نہیں ہوں گے بلکہ تمام طبعی اشیاء پر لاگو ہوں گے۔ مابعد طبعیاتی لحاظ سے یہ فطری قوانین موضوع کے اعتبار سے صرف ایک چیز پر لاگو ہوں گے۔ مختلف وصوف جوہر خاص کو روح کہا جاتا ہے۔ اس جوہر خاص میں تمام خصوصیات کی تبدیلیوں کی تشریح واحد مادے کے اصول سے کی جا سکتی ہے۔ مادی اشیاء کو سمجھنے کے لئے انسانی حواس کو علیحدہ رکھنا ہوگا۔

فطری نظریہ اور فطری علم پر ایسا ہی تنوع ہمیں ڈیکارٹ' اسپائی نوزا اور لیبنز میں نظر آتا ہے۔ یہ فلاسفر سترھویں صدی کے عظیم ترین فلاسفر ہیں۔ ان فلاسفروں نے ارسطیائی منطق کو کافی حد تک رد کر دیا ہے اگرچہ منطق اب بھی تعلیمی اداروں میں جدید سائنس سے علیحدہ کر کے پڑھایا جاتا ہے۔ تمام فلاسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ ریاضیاتی طبعیات فطری اصولوں کے قریب ترین ہے تاہم یہ فلاسفر آئین حقیقت تک پہنچنے کے متمنی ہیں۔

یاد رہے کہ "نیوٹن" کی موت سے لے کر بلکہ بعد تک بھی صاف طور پر فلسفے اور فطری

سائنس میں امتیاز نہ کیا گیا۔ فطری فلسفہ کو عام اصطلاح میں لیا جاتا رہا بلکہ مابعدِ طبعیات اور طبعیات کو بھی باہم ملایا جاتا رہا۔

ڈیکارٹ اور لیبنز بہت ہی آزاد خیال فلاسفر تھے انہوں نے مابعد طبعیات اور سائنس میں فرق واضح کیا۔ یہ مابعد طبعیاتی فلسفہ ہی تھا، جس نے فطری اصولوں کے مطابق سائنسی تحقیقات کی راہ ہموار کی۔ ڈیکارٹ اور لیبنز کے کام کے مطابق " نظریاتی طبعیات" کے مسائل کو جب ہم بیان کرتے ہیں تو یہ مسائل دائمی طور پر الجھے ہوتے ہیں۔

ڈیکارٹ، اسپائی نوزا اور لیبنز نے اپنی اپنی تجاویز سے خلاء کی نوعیت اور اشیاء کے بنیادی ڈھانچوں کے متعلق بتایا اگر ہم ان کا اب بھی مطالعہ کریں تو ہمیں ان کے نظریات میں سے کچھ ایسی چیزیں مل جائیں گی، جو تجرباتی سائنس نے ثابت کر دیں ہیں، ہم ان کے نظریات کو سائنس سے قریب کہہ سکتے ہیں لیکن اصل چیز تو ان کے دائمی فلسفیانہ مسائل کے حل ہیں۔ اگر چہ ان کے حل کردہ مسائل تجرباتی نہیں ہیں اور ان کو کسی خاص سائنس کا نام بھی نہیں دیا جا سکتا لیکن انہوں نے فطری فلسفے کو سمجھنے کی طرح ضرور ڈالی ان کا فلسفہ اس وقت بہت ہی مفید تھا۔

فسلفہ، فطری فلسفہ اور سائنسی فلسفہ سے بھی زیادہ وسیع تر معنی کا حامل ہے۔ تمام عظیم فلاسفہ نے ہمیشہ بہتر کی کوشش کی ہے، انہوں نے نہ صرف قدرتی ترتیب کو مدنظر رکھا بلکہ انہوں نے اس قدرت میں انسان کے مقام کا بھی تعین کیا۔ انسانی علم کے نظریے اور اس کی حدود اور انسانی علم کی قابل استعمال طاقت اور انسان کا خاتمہ، انسان کی قدرتی ترتیب میں اس کی جدوجہد انسان کی تخلیق اور اس کے مسائل خدا کی فطرت اور اس کی موجودگی، یہ سب کچھ فلسفیانہ تحقیق کا نتیجہ ہے۔

☆☆☆

یہ سترھویں صدی کا زمانہ تھا جب سائنس اور مذہب کے درمیان تصادم شروع ہوا۔ گلیلیو کو چرچ کی مذمت کا سامنا اس لئے کرنا پڑا کیونکہ اس نے ارسطیائی نظریہ اشیاء کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ کوپرنیکس اور کیپلر نے نظام شمسی کے حقائق کو دریافت کیا تھا۔ علاوہ ازیں دور وسطیٰ کی عیسائی فلکیات کو بے بنیاد ثابت کر دیا تھا اس طرح زمین اس کائنات کا مرکز نہ رہی تھی اور خلائی طبعیات کی اصطلاحات وجود میں آئیں۔

یہ دریافتیں عام تعلیم یافتہ لوگوں میں جلدی مقبول نہ ہو سکیں ان کو صرف چند فطرت پرست فلاسفروں نے ہی تسلیم کیا بلکہ "بیکن" جیسے فلاسفر نے بھی ان کو رد کر دیا۔ یہ بات صاف ہے کہ اگر ان دریافتوں کو رد کر دیا جاتا تو کلیسائی نظریات کو مزید طاقت ملتی، لیکن کچھ پڑھے لکھے لوگ ان دریافتوں کو ضرور آگے بڑھاتے۔ ان دریافتوں نے تو انسان کے مقام کو اور بڑھا دیا تھا۔ کوپرنیکس کی طرح گلیلیو کو بھی کلیسا کی مذمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ بات عیاں ہے کہ سچ کو زیادہ دیر چھپایا نہیں جا سکتا۔

دو عظیم عیسائی مفکرین، پاسکل اور ڈیکارٹ نے کلیسائی چیلنج کا کچھ نہ کچھ جواب ضرور دیا۔ پاسکل تو ایک فلاسفر کے طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا کیونکہ فلسفے پر تو اس کے صرف دو ہی مختصر سے ٹکڑے ہیں جو کہ اس کتاب میں بھی ہیں بلکہ اس نے تو انسانی علم کے حوالے سے قدرتی ترتیب کو اخلاقی فرض سمجھتے ہوئے بیان کیا ہے۔

مونٹین نے کہا تھا کہ انسانی علم کوئی خاص یقینی علم نہیں ہے لیکن پاسکل نے کہا تھا کہ اس کائنات میں انسانی علم ہی یقینی علم ہے بلکہ انسان ہی ایک ایسی اہم چیز ہے جس نے خدا کی پہچان کی ہے۔ پاسکل نے عیسائی الہیات کے ساتھ پورا انصاف کیا ہے۔ اور بتایا کہ انسان کو حقیقی روحانیت کی ضرورت ہے۔

ڈیکارٹ کیتھولک عیسائی تھا اور ایک نظاماتی فلاسفر بھی اس نے عیسائی دینیات میں سچ

کے لئے جگہ دریافت کی اور ریاضیاتی طبعیات کی سکیم تیار کی، اس کا کہنا تھا کہ ہمارا قدرتی علم یقینی طور پر ثابت کرتا ہے کہ خدا کی موجودگی کی ضرورت عیسائیت سے پہلے بھی تھی۔ اس نے خدا کی موجودگی کے بارے میں کچھ روایات کو بھی بیان کیا۔ وہ مادی اشیاء اور روحانیت کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر کے بیان کرتا ہے ۔ جو اسباب اور وجوہات مادی اشیاء پر اثر پذیر ہوتے ہیں۔ وہ اسباب اور وجوہات روح پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک تو ہے ذہن جو سوچتا ہے اور دوسرا جسم جو کہ کائناتی طبعیات کے قوانین کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ڈیکارٹ اسپائی نوزا کو ناپسند کرتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اسپائی نوزا کا جو ابتدائی کام اخلاقی مسائل پر شائع ہوا تھا لیکن اسپائی نوزا کی دلچسپی فطری فلسفہ میں تھی۔ اسپائی نوزا نے اپنا وہ کام شائع نہ کروایا تھا جس میں اس نے فطری فلسفے کے حتمی نتائج لکھے تھے لیکن اس کے ان نتائج سے کلیسا متفق نہ تھا اس لئے وہ اسپائی نوزا کی زندگی میں شائع نہ ہو سکے۔ اس نے ریاضیاتی طبعیات اور عیسائی الہیات کے درمیان مفاہمت کر کے انسان کے مقام کا تعین کیا تھا۔ یہ کام اس وقت کے لحاظ سے بہت آگے تھا۔

☆☆☆
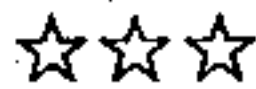
اس کے بعد جب "لاک" کا "ESSAY" شائع ہوا تو اس کی صاف بحث نے تجزیاتی طریق سے اس الجھن کو مزید سلجھا دیا۔

سترھویں صدی میں انگلستان میں سوچنے کا انداز تبدیل ہوا اور اس حوالے سے عیسائیت میں اصلاح کی گئی لیکن فرانس کے حالات انگلستان سے مختلف تھے۔ فرانس میں سترھویں صدی کے آغاز میں انداز و اطوار اور فکر پر کلیسا کا تسلط تھا لیکن "لاک" کے Essay کی اشاعت کے ساتھ ہی فکر کی ایک نئی لہر پورے یورپ میں پھیل گئی۔ سترھویں صدی کے آغاز میں "بیکن" ایک ایسا فلاسفر تھا جو کہ پورے یورپ میں مقبول تھا اور ہر فلسفی

اسی کا حوالہ دیا کرتا تھا لیکن بیکن سترھویں صدی کے فلاسفر کی بجائے نشاہ ثانیہ کا آخری فلاسفر نظر آتا ہے۔

"بیکن "قدرتی علم کو تمام اہم مقامات پر ریاضی کے اصول استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

سترھویں صدی تاریخی حوالے سے مکمل طور پر فلسفے کی صدی یا فہم وادراک کی صدی کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس دور کے تمام عظیم فلاسفر ریاضیاتی اصولوں کو فلسفے کے علاوہ تمام دوسرے علوم میں سختی سے استعمال کرنے کی کوشش کرر ہے تھے۔ ڈیکارٹ اسپائی نوزا اور لیبنز کی فلسفیانہ بحث حق کو تلاش کرنے پر تھی اور وہ انسانی علم کی حدوود کو ریاضیاتی نظریہ سے ثابت کرر ہے تھے۔ "ہیوم" اور کانٹ بہت پہلے فلاسفروں کو کچھ نہ کچھ قائل کر چکے تھے اور خاص کر انگلستانی اور امریکی فلاسفروں کو ان کی مابعد طبعیات سکھائی تھی وہ اشیاء کی فطرت کے بارے میں کوئی خاص نتیجہ نہ رکھتے تھے۔ وہ نظریات اور الفاظ کے معنی کا فلسفیانہ تجزیہ کرتے۔ انہیں سائنسی مسائل کی فطرت میں تبدیلی یا پھر زبان کے حوالے سے مشکلات تھیں، اس وقت انہیں نظاماتی فلسفے کی ضرورت تھی اور پھر یہ وقت سترھویں صدی میں آ ہی گیا کہ اب علم کی کئی شاخیں سامنے آ ئیں۔ ڈیکارٹ اسپائی نوزا اور لیبنز یورپ کے مقبول مفکر بن گئے۔ انہوں نے حقیقت' شناخت اور آزادی کی نئی راہیں دیکھائیں روح اور مادے کے حوالے سے تجربات کیے۔ یہ لوگ یقیناً ماضی کے بہترین مفکرین تھے۔

☆☆☆☆☆

BACON

بیکن

فرانس بیکن 1561ء میں لندن میں پیدا ہوا۔ اس کے خاندان کا دوہرا تعلق حکومت اور عدالت سے تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اچھے عہدوں پر فائز رہا۔

فرانس بیکن نے " گریز ان " سے قانون کی تعلیم حاصل کی اور اپنے چچا ولیم سیسل کی وجہ سے معمولی عہدے سے اعلیٰ عہدے پر ترقی حاصل کی۔ جب وہ اپنے چچا ولیم سیسل سے اپنی خواہش کے مطابق مزید ترقی حاصل کرنے میں ناکام رہا تو بیکن نے اپنا تعلق "ارل آف ای سیکس" کے ساتھ جوڑ لیا جس نے اسے اٹارنی جنرل کے عہدے کے لئے نامزد کر دیا۔ لیکن ملکہ الزبتھ نے بیکن کو اٹارنی جنرل کا عہدہ دینے سے انکار کر دیا۔

جب ای میکس کی فوج نے ناکام بغاوت کی تو اس کا الزام بیکن پر لگایا گیا' جیمز اول کی تخت نشینی کے بعد بیکن نے پھر طاقت پکڑنا شروع کر دی۔

1603ء میں اسے سر کے خطاب سے نوازا گیا اور 1606ء میں اس نے ایک ایسی امیر خاتون سے شادی کی جس کی جائیداد کا کوئی اور وارث نہ تھا۔ 1607ء کو بیکن کو سولیسٹر جنرل بنا دیا گیا اور پھر 1613ء کو اسے اٹارنی جنرل کا عہدہ تفویض کیا گیا کیونکہ وہ " جارج ویلیر یز " کا پسندیدہ دوست تھا۔ 1616ء میں اسے پریوی کونسلر بنا دیا گیا اور 1617ء میں اسے لارڈ کیپر کا عہدہ دیا گیا اور اسی سال اسے لارڈ کونسلر بنا دیا گیا۔ پھر 1671ء کے آخر میں بیرن وریولم (Baron Verulam) کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ 1621ء میں ویسکاؤنٹ بنا دیا گیا لیکن اسی سال اس پر رشوت لینے کا الزام لگا اور اس کے تمام عہدے چھین لئے گئے اور اسے معمولی قید کے بعد آزاد کر دیا گیا' اس کے بعد وہ اپنے

گاؤں واپس چلا گیا اور یہیں 1626ء میں اس کا انتقال ہوا۔

بیکن سترھویں صدی کے فلاسفروں کی صف سے باہر ہے۔ جس میں سترھویں صدی کے عظیم فلاسفی جدید حساباتی' طبعیات اور معقولیت کے فلسفہ کو پیش کرتے ہیں اس کی بجائے بیکن سولہویں صدی کے فلاسفروں کی صف میں شامل نظر آتا ہے۔

وہ ڈیسکارٹ کی طرح ریاضی کے اصولوں کو فطرت کے مطالعہ کے لئے استعمال کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ نظریات کے تجزیہ کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کرتا۔

لیکن اس کے عظیم کام کے ہمہ گیر اثرات پورے یورپ اور تمام دنیا میں "Novum Organum" جو 1620ء میں لکھی اور "ایڈوانسمنٹ آف لرننگ" جو 1605ء میں لکھی گئی کے غیر معمولی اثرات کی وجہ سے وہ سائنس میں "استقرائی طریق" میں ایک سمبل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

وہ زرخیز ذہن والا ایسا مفکر ہے جس کے فکر کی بہت سی جہتیں ہیں۔ وہ نظریہ کے حوالہ سے آدھا جدید ہے اور آدھا قدیم ہے۔ اس کی تحریریں بھی اس کی زندگی کی طرح بہت عظیم الشان اور بے ترتیب ہیں۔ اس کے ذہن میں بہت سے منصوبے تھے اور مختلف علوم اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ کوئی نئی چیز دریافت کرے' اس کے مقبول ترین مضامین میں نفاست بھی ہے اور مغالطہ آمیزی بھی' لیکن اس کی تجریدی بحث میں کوئی منطقی استدلال نہیں ہے۔ جیسا منطقی استدلال عظیم فلاسفر ڈیسکارٹ' اسپائی نوزا اور لیبنز کے فلسفہ میں ہے' وہ اپنی بحث میں فطرت کے رنگوں اور اشیاء سے تنوع پیدا کرتا ہے' اس لئے مختصراً ایسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک فلسفی کی بجائے فطرت پرست ہے۔

بیکن ڈیسکارٹ کی طرح دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے سائنس میں ایک نئے طریق کو ایجاد کیا لیکن اس کا طریق ڈیسکارٹ کی مانند نہ ہے کیونکہ ڈیسکارٹ مسلمہ سچ کو عقل پر فوقیت

نہیں دیتا۔

بیکن خالصتاً تجربیت نظام کے تجرباتی طریق کی وکالت کرتا ہے جو کہ اشیاء کی انفرادی مشاہدات اور واقعات پر مبنی ہے جو کہ وسیع سے وسیع ہوتے پوری نسل کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہ ایک عام سا بیان ہے، جو کہ حساباتی اصولوں کے مطابق نہ ہے۔ اس لئے تجربہ اس کو نا کام ثابت کرتا ہے اس کی بنیادی دلچسپی استقرائی طریق میں ہے جس میں مشاہدات کے ذریعے سچ تک پہنچا جا سکتا ہے جو کہ نسلوں تک وسیع ہے۔ دراصل وہ استقرائی منطق کا مقالہ نگار ہے اور تجرباتی طریق کے حوالہ سے فلسفہ کی تاریخ میں ایک مستقل مقام رکھتا ہے۔

ھیوم اور ''مل'' نے بیکن کے شروع کئے کام پر تحقیقات کو مزید آگے بڑھایا ہے، بیکن اپنی توجہ موضوعات کو وسیع کرنے کی جانب مبذول کرتا ہے جو کہ اس کے تجرباتی طریق سے وسیع ہے۔ وہ مشاہداتی عمل سے سائنسی تجنیس اور نتیجہ خیز تجربہ اخذ کرتا ہے۔ اس نے دوسرے ممالک کے تجربیت نظام کی تحقیقات کو بھی شامل کیا ہے اور فلاسفہ کے لئے تجاویز دیں ہیں کہ وہ سائنسی زبان میں اس کا تجزیہ ضرور کریں۔ نظریات سے ایک خیال کو اخذ کر کے وہ زبان کی الجھن کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک سکتے ہیں جو کہ مشاہداتی تحقیقات کی ابتداء میں پیش آتے ہیں۔ وہ اصولوں کی صف بندی کا بھی نظریہ پیش کرتا ہے جو ہمیں فطری تاریخ کے لئے رہنمائی دیتے ہیں اور جو ہمارے اردگرد کی اشیاء کی اختراع کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ہمیں اشیاء کی صف بندی سادہ اور سطحیت مشابہت کی بنیاد پر نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اس بات پر توجہ دینی چاہیئے کہ ان اشیاء کی صف بندی فطری اقسام کے لحاظ سے کرنی چاہیئے جو کہ ایک نظام سے مربوط ہو، صف بندی کا یہ بنیادی طریق "Linnaeus" (1735) نے باٹنی سائنس میں متعارف کروایا تھا۔ اس لئے فطری علم کے لئے نئی بنیادیں فراہم کرنی چاہیئے۔

ذیل میں بیکن کی عالمانہ منطقی سائنس اور اس کی مثبت سفارشات بمع امثال اور اقتباسات دیئے جارہے ہیں۔ وہ ارسطائی منطق کے بہت سے نقطہ نظر پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اول یہ کہ اس کی بنیاد قیاس منطق پر ہے' اس لئے ایسی عام تاویلوں کو اس سے انفرادی طور پر منہا کر دینا چاہیئے اور اس مسئلہ کو نظر انداز کر دینا ضروری ہے کہ ایسے بیانات تک رسائی کیسے ہو۔ دوئم وہ کہتا ہے کہ تفصیلات کی تجنیس ہو جس سے تعلیمی منطق کی نمائندگی ہو اور اس میں عجلت کرنی چاہیئے (دیکھئے مثال نمبر 25 ,22 ,19 ,1) روایتی منطق اقوام اور طبقات کی تشکیل جانچنے کے لئے ناکافی ہے۔ (دیکھئے مثال نمبر 14) سوم جو علم پہلے ہی حاصل شدہ ہو اس (کا صرف) ریکارڈ رکھنے کے طریق سے بہت سی مشکلات پیش آئیں گی اور بنیادی طور پر غیر مفید ہوگا۔ (دیکھئے مثال 12) یہ طریق کسی چیز کو دریافت نہیں کرتا بلکہ مزید تحقیق کی تجویز دیتا ہے۔ فطرت پر قابو پانے پر یہ ہماری رہنمائی نہیں کرتا۔ (دیکھئے مثال 8 ,4 ,3) یا پھر ہم اس طریق سے نئے علوم دریافت نہیں کر سکتے (مثال 5) اگر ان عام بیانات کو درست تسلیم کر لیا جائے اور قیاسی منطق کی تفصیلی امثال کو بھی تو بیکن ایسے طریق کی تجاویز دیتا ہے جس میں زیادہ سے زیادہ نئی دریافتیں اور حقیقی سچے بیانات پر مبنی ہوں۔ استقراء کا طریق سادہ شمار کا ہو۔ اس میں یا مکمل طور پر رد اور اخراج ہو اس طرح یہ طریق فطری ہوگا اور نظاماتی تجربہ کا متبادل ہوگا' اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ جیسے الفاظ کا ربط A.B.C کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہی کافی نہیں بلکہ تمام حقائق کے ریکارڈ کو اسی طریق سے لامحدود رکھا جائے۔ ہمیں تجربات سے ضرور گزرنا چاہیئے تاکہ اس تسلسل کو جاری رکھا جائے اور نظاماتی تشکیل میں مدنظر رہے کہ A اور B کے بعد C کا آنا ضروری ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں قوموں کی درجہ بندی اور تجزیہ کی ضرورت پر بیکن زور دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر سائنس دان محسوس کریں تو وہ مشترکہ زبان کا فنڈ بنا سکتے ہیں جب کہ یہ

ایسی ٹرم ہے جو الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے ذہن میں ABC کے ربط کو علیحدہ نہیں کرسکتا اس لئے مجوزہ تجربہ کو بھی نہیں دھرایا جاسکتا۔

شاید بیکن کا عمیق مشاہدہ تھا کہ سائنس دان بہر صورت اس اعلیٰ طاقتور منفی صورت حال کو پہچان لیں گے (مثال 46) اس صورت حال میں وہ جب کبھی تجنیس کرے گا تو A کے ظاہر ہونے کے بعد B ظاہر ہوگا تو اسے ہمیشہ یہ دیکھنا ہوگا کہ B A کے بغیر ظاہر ہو۔ اگر ایسی منفی صورت حال پائی گئی تو اسے اپنے قانون میں ترمیم کرنا ہوگی (مثال 25)۔ یہ توہم پرستی کی انتہا ہے کہ صرف مثبت حالات پر توجہ مرکوز کی جائے جو کہ ایک فرد کے اعتقادات کی حمایت کریں اور اس کی مقابل امثال پر نظر نہ رکھی جائے۔ تجنیس اتنی وسیع اور ہمہ گیر ہونی چاہیئے جتنی کہ ممکن ہو' جس میں حقائق کو سائنسی حوالے سے تلاش کیا جائے۔ یہ تجنیس صرف مداروی نہیں چاہئیں (مثال 106)۔ اگر ہم ان اصولوں کا مشاہدہ نہیں کریں گے اور صرف پہلے سے معلوم حقائق پر انحصار کریں گے تو ہم کوئی نئی دریافت نہیں کرسکیں گے اس لئے یہ غیر ضروری اور غیر مفید ہیں۔ تفصیلی بیانات کی نسبت زیادہ منطقی طاقت اس میں ہے جس پر ان کی بنیاد ہے۔ یہ غیر ضروری دلالت ہے کہ یقینی مشاہدات کسی اور جانب کو لے جائیں گے کہ جس سمت کو تجنیس کو جانا چاہیئے۔ یہاں بیکن بیج پر توجہ دیتا ہے اور اس کی ہمہ گیر وسعت پر کہ اس کو استعمال کر کے ایک مفید سائنسی نظریہ دیا جاسکتا ہے۔

استقرائی منطق پر بیکن کا بیان تجربی ہے اور اس کی اکثر اصطلاحات مبہم اور دھندلی ہیں لیکن اگر ہم اس کے تجرباتی منطق پر نظر ڈالیں تو اس کے آخر میں تمام اظہار جان سٹورٹ مل کے نظریہ کا ہے۔

بیکن فطرت کی تلاش پر زور دیتا ہے' خواہ یہ نظاماتی ہو یا عام مفروضہ' اس کی بجائے کہ صرف ریکارڈ کے مشاہداتی حقائق ہوں لیکن کوئی اصول استعمال نہ کیا گیا تو فطرت کو تلاش

نہیں کیا جا سکتا۔ شاید اس کی تجربیت بہت سادہ تھی اور اس کے منطق کو اب بھی زیادہ آسانی سے طبعیات کی بجائے درجہ بندی کی سائنس میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وہ گلیلیو اور ڈیکارٹ سے بہت متاثر تھا اس نے طبعیات میں تضاد کی برابری کی پیش بینی نہیں کی۔

ذیل میں جیمز سپیڈنگ ایڈیشن کا Novum Organum کے لئے لکھا ہوا پہلا دیباچہ دیا جا رہا ہے۔

بیکن اپنے دیباچہ میں کہتا ہے' اب میں آتا ہوں اپنے طریقہ کی طرف اگرچہ یہ اپنانے کے لئے کافی مشکل ہے لیکن آسانی سے اس کو بیان کیا جا سکتا ہے میری تجویز ہے کہ ایسے ترقی پسندانہ مدارج قائم کئے جائیں جو کہ یقینی ہوں' اس میں عقل سے کام لیا جائے اور ایسے یقینی عمل سے مدد لی جائے کہ درستگی قائم رہے۔ میں نے ایسا ہی کیا ہے لیکن ذہنی عمل جو کہ عقل کے تابع کام کرتا ہے میں اس کے ایک بڑے حصے کو رد کرتا ہوں بلکہ میں اس کی بجائے ذہن کے لئے ایک نیا یقینی راستہ کھولتا ہوں جس کے مطابق اس کو استعمال کیا جائے۔ جس میں بلاواسطہ حسابیات کو ادراک حاصل ہو۔ یہ ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ کوئی شک نہ رہے' وہ لوگ جو منطق کی اہمیت کا وصف رکھتے ہیں اس طرح انہیں سمجھنے میں مدد ملے گی۔ کیونکہ روزانہ کی گفتگو اور مختلف عقائد کی بناء پر ذہن بہت مصروف رہتا ہے اور ذہن میں کئی قسم کے خیالات گردش کرتے رہتے ہیں اس طرح منطق کے فن تک رسائی بہت دیر سے ہوتی ہے۔

ذیل میں پہلی کتاب سے امثال درج ہیں

III

انسان کا علم اور انسان کی طاقت ایک ہی چیز ہیں' جہاں ہم سبب نہیں جانتے وہاں ہم انجام تک نہیں پہنچ سکتے۔ فطرت کے احکام کی پابندی کرنا ضروری ہے اور جیسا تصور ہوگا ویسا

ہی عمل ہوگا۔

IV

کاموں کی تکمیل کے لئے کہ جن کو ایک آدمی اکیلے سرانجام دے سکتا ہے' یا پھر ان کو فطری اجسام کے تحت سرانجام دے سکتا ہے۔ کچھ کام فطری طور پر سرانجام پاتے ہیں۔

VII

مصنوعات اور کتابیں ذہن اور ہاتھ کی ایسی پیداوار ہے جس کو ناپا نہیں جا سکتا۔ یہ تمام تنوع بہت ہی عمدہ لطیف اور استخراج سے چند چیزوں میں بکھرا ہوا ہے جس کو پہلے سے جانا جاسکتا ہے' بدیہی طور پر ان کو گنا نہیں جا سکتا۔

XI

ایسے علوم جن کو ہم جانتے ہیں وہ نئے کاموں کی تلاش میں ہماری کوئی مدد نہیں کرتے۔ اس لئے اب منطق بھی نئے علوم کی تلاش میں ہماری مدد نہیں کر سکتا

XII

اب منطق خدمت سرانجام دینے کی بجائے ان غلطیوں کو استحکام دیتا ہے جو کہ اس کی بنیاد میں ہیں اس لئے نظریہ کی مدد سے سچ تلاش نہیں کیا جا سکتا' اس لئے یہ اب مفید ہونے کی بجائے نقصان دہ ہے۔

XIV

قیاس منطقی بیانات پر مشتمل ہے اور بیانات الفاظ پر مشتمل ہیں' الفاظ خیالات کے اشارے ہیں' اگر خیالات خود ہی (جو کہ مواد کی جڑ ہوتے ہیں) الجھن میں مبتلا کر دیں تو تجربیت سے ایسے حقائق پیدا ہوں گے جس سے کوئی اعلیٰ درجہ کا ڈھانچہ تشکیل نہیں پا سکے گا۔

XIX

صرف دو طریقوں سے سچ کو دریافت کیا جاسکتا ہے‘ ایک طریقہ عقلی ہے اور دوسرا خاص بدیہی ہے۔ ان اصولوں سے سچ کو پایا جاسکتا ہے۔ ان دونوں اصولوں کے فیصلہ سے ایک درمیانی طریق دریافت ہوگا جو سچ تک لے جائے گا۔ آج کل یہی طریق رائج ہے۔

XXII

دونوں ہی طریق میں بہت زیادہ عمومیت پائی جاتی ہے اور ان میں لامحدود فرق بھی ہے۔ ان میں ایک کی بنیاد تجربے پر ہے دوسرا عمیق مشاہدہ کا متمنی ہے۔ پہلا طریق فوراً نتیجہ پیدا کرتا ہے اور دوسرا طریق بہت آہستہ روی سے نتیجہ پیدا کرتا ہے کیونکہ دوسرے طریق کو قدرتی ضوابط کے پورا ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

XXIV

وہ اصول متعارفہ جو استدلال کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں وہ نئی معلومات کی دریافت میں کبھی مددگار ثابت نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم طبیعی کی لطافت استدلال کی لطافت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے لیکن جب اصول متعارفہ کی تجدید مناسب طریقہ سے اور باقاعدگی سے جزئیات کی مدد سے کی جائے تو وہ نئے جزئیات کی طرف رہنمائی کرتے اور ان کی حد بندی کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں سائنسی عمل تیز تر ہوتا ہے۔

XXV

آج کے زیر استعمال اصول متعارفہ کسی حد تک گنتی کے چند بے ربط تجربات سے ماخوذ ہیں یا چند عامتہ الوقوع جزئیات سے۔ ان کی وسعت اور حجم بھی ان کے نقطہ آغاز سے مطابقت رکھتا ہے۔ جب کوئی ایسی مثال سامنے آتی ہے جو غیر معروف یا نظر انداز کردہ ہو تو

اصول کو بچانے کی خاطر کسی فضول سے فرق کا سہارا لیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لئے اس اصول میں تبدیلی کرنا ضروری ہوتا ہے۔

XXVI

امتیاز قائم رکھنے کی خاطر ہم اس بات کے عادی ہیں کہ اس انسانی استدلال کو' جس کا ہم عالم طبیعی پر اطلاق کرتے ہیں' عالم طبیعی کی پیش بینی (Anticipation) کہیں (کیونکہ یہ جلد بازی میں اور ناپختہ طور پر کی جاتی ہے) اور اس استدلال کو' جو اشیاء سے باقاعدہ طریق سے مستنبط ہوتا ہے' عالم طبیعی کی توضیح (Interpretation) کہیں گے۔

XXVII

پیش بینیاں اس قدر قوی ہوتی ہیں کہ وہ لوگوں میں اتفاق رائے پیدا کر دیتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تمام انسان یکساں طور پر پاگل بھی ہو جائیں تب بھی وہ قابل برداشت حد تک ایک دوسرے کے ساتھ ہم رائے ہو سکتے ہیں۔

XXVIII

پیش بینیوں پر توضیحات کی نسبت سے کہیں جلد اتفاق رائے ہو جاتا ہے کیونکہ یہ بعض مثالوں سے' جو بالعموم عامتہ الوقوع ہوتی ہیں' ماخوذ ہوتی ہیں۔ لہذا یہ فی الفور فہم کو متاثر اور خیال کو مطمئن کر دیتی ہیں' اس کے برعکس توضیحات متنوع موضوعات سے مستنبط ہوتی ہیں۔ یہ اس قدر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں کہ فہم کو فوراً انگیخت نہیں کرتیں لہذا عام جائزہ میں یہ مشکل اور متناقض نظر آتی ہیں' ان کی حیثیت تقریباً وہی ہوتی ہے جو مذہب کے رازوں کی ہوتی ہے۔

XXIX

جن علوم کی بنیاد آراء اور عقائد پر ہوتی ہے' اشیاء کے بجائے ان پر اتفاق رائے حاصل کرنے کے لیے پیش بینی اور منطق کا استعمال درست ہے۔

XXX

اگر گزشتہ تمام زمانوں کی مکمل استعداد یکجا کر کے جمع کر لی جائے اور اس کی تمام محنت آگے منتقل ہو سکے' تب بھی پیش بینی کی مدد سے علم میں کوئی ترقی نہیں ہو سکتی' کیونکہ تمام غلطیاں' خواہ وہ بنیادی نوعیت کی ہوں یا ذہن کے اولین عمل میں واقع ہوئی ہوں' بعد میں کیے گئے علاج اور ذرائع کی عمدگی کی مدد سے درست نہیں کی جا سکتیں۔

XXXI

یہ توقع رکھنا کہ سائنسی علوم میں بڑی ترقی محض اس طرح ممکن ہو جائے گی کہ ہم پرانی معلومات پر نئی معلومات کا جامہ چڑھا دیں یا اس کی پیوند کاری کر دیں' تو یہ توقع بالکل عبث ہوگی اگر ہم ہمیشہ کے لئے ایک ہی دائرہ میں گردش نہیں کرنا چاہتے اور نہایت خفیف اور حقیر ترقی پر قانع نہیں ہونا چاہتے تو ہمیں عین بنیادوں سے تجدید علم کرنی ہوگی۔

XXXII

چونکہ ہم قدیم و جدید میں استعداد اور قابلیت کے تقابل کی بحث میں نہیں پڑتے بلکہ صرف طریقہ کا مقابلہ کرتے ہیں' نیز چونکہ ہم نقاد کی بجائے ایک رہنما کا کردار ادا کرتے ہیں اس لئے زمانہ قدیم کے مصنفین اور تمام دوسری شخصیات جس عزت و احترام کی مالک ہیں وہ عزت و احترام بلا اختلاف ان کو حاصل رہتا ہے۔

XXXIII

بات دوٹوک انداز میں کی جائے تو ہمارے مجوزہ طریقہ یا اس کی دریافتوں کے بارے میں ان پیش بینوں کی مدد سے صحیح فیصلہ تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے جو آج زیر استعمال ہیں ہم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ہم خود جس طریقے کو مورد الزام قرار دیتے ہیں اس کے تحت کسی فیصلہ کو تسلیم کر لیں گے۔

XXXIV

پھر ہمارے لئے اپنے احساسات کو بیان اور واضح کرنا بھی تو کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ وہ اشیاء جو بالکل نئی قسم کی ہوں ان کو پرانی اشیاء کے ساتھ کسی مماثلت کی صورت میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

XXXV

اٹلی پر فرانس کی چڑھائی کے بارے میں الیگزینڈر بورجیا (Alexander Borgia) نے کہا تھا کہ فرانسیسی اپنی اقامت گاہوں پر نشانات لگانے کے لئے ہاتھوں میں چاک لئے ہوئے آئے' ان کے پاس زبردستی راہداری حاصل کرنے کے لئے ہتھیار نہیں تھے۔ اسی طرح ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارا فلسفہ نہایت خاموشی سے ان ذہنوں تک رسائی حاصل کرے جو اس کو سمجھنے کے لئے موزوں اور اس کے لئے کافی استعداد رکھتے ہیں۔ جہاں ہمارا اختلاف اصول اولیہ میں ہو یا بنیادی تصورات میں یا اظہار کی شکلوں میں' تو ہمیں کسی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں

XXXVI

اپنے احساسات دوسروں تک پہنچانے کا ہمارا طریقہ نہایت سادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو جزئیات اور ان کے سلسلہ اور نظام تک لازماً پہنچا دیں۔ ان کے لئے بھی یہ

ضروری ہوگا کہ وہ اپنے تصورات کو ترک کر کے اشیاء کے ساتھ نئی واقفیت پیدا کرنے کا آغاز کریں۔

XXXVII

ہمارا طریقہ اور متشککین کا طریقہ ابتدائے کار میں تو یکساں نظر آتے ہیں لیکن ان دونوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور نتائج اخذ کرنے میں تو دونوں ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ متشککین کا زور اس بات پر ہے کہ کسی چیز کو جاننا ممکن نہیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ کائنات کے ایک حصہ کو جاننا ممکن ہے اور اس کا امکان ہمارا طریقہ فراہم کرتا ہے۔ متشککین کا اگلا قدم حواس اور فہم کی استناوی حیثیت کو ختم کرنا ہے جب کہ ہم ان کی معاونت کے لئے اشیاء ایجاد کرتے اور فراہم کرتے ہیں۔

XXXVIII

فہم انسانی کے اندر پہلے سے قابض بت اور جھوٹے تصورات اتنی گہری جڑیں رکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے ذہن کو گھیرے میں لے کر اس تک رسائی کو مشکل بنا دیتے ہیں اگر رسائی حاصل ہو بھی جائے تو وہ دوبارہ راہ میں اس وقت حائل ہو جاتے ہیں جب سائنسی علوم کی تجدید کی کوشش کی جائے اس صورت حال سے اسی وقت بچا جا سکتا ہے جب انسان کو پہلے سے متنبہ کر دیا گیا ہو اور وہ ان بتوں کے خلاف اپنی حفاظت کی پوری تدابیر اختیار کرے۔

XXXIX

ان بتوں کی انواع' جو انسانی ذہن کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں' چار ہیں' باہم امتیاز کی خاطر ہم نے ان کے الگ الگ نام رکھ دیئے ہیں۔ پہلی نوع قبیلہ کے بتوں کی ہے' دوسری پناہ گاہ کے بتوں کی' تیسری بازار کے بتوں کی اور چوتھی تھیٹر کے بتوں کی۔

XLVI

تجربی مکتب فکر کے پیدا کردہ عقائد نظریاتی یا سوفسطائی مکتب فکر کے اصولوں کی نسبت زیادہ بدشکل اور خوفناک ہیں۔ ان کی بنیاد عام تصورات کی روشنی میں نہیں اٹھائی گی (جو خواہ کتنے ہی کمزور اور "توہماتی" ہوں پھر بھی ان میں آفاقیت اور عمومی رجحان کا عنصر پایا جاتا ہے) بلکہ چند تجربات کے محدود دھندلے نتائج کی روشنی میں اٹھائی گئی ہے۔ فلسفہ کی یہ نوع ان لوگوں کو جو روزانہ ان مخصوص تجربات میں سے گزرتے ہیں، ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی نظر آتی ہے اور اس نے ان کے تخیل کو بگاڑ دیا ہے، جب کہ دوسروں کو یہ فضول اور ناقابل یقین دکھائی دیتی ہے۔ ہم ان کی ایک قوی مثال کیمیاء گروں اور ان کے اصولوں میں پاتے ہیں۔ اس کی کوئی مثال اس زمانہ میں پیش کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی امکان ہے تو وہ گلبرٹ کے فلسفہ میں ہے۔ ہم اس مکتبہ فکر کے خلاف دوسروں کو محتاط رہنے کی تلقین کئے بغیر نہیں رہ سکتے کیونکہ ہم مستقبل کو بھانپتے ہوئے یہ کہتے ہیں ہمارے شوق دلانے سے اگر لوگ کبھی تجربات کی راہ سنجیدگی سے اپنائیں گے (یعنی سوفسطائی نظریات کو خیر باد کہہ کر) تو اس وقت ان تجربی فلسفیوں کی طرف سے فوری خطرات سامنے آئیں گے، کیونکہ ان کا فہم نیم پختہ اور جلد بازی پر مبنی ہے اور یہ چھلانگ لگا کر یا اڑ کر اصول عامہ یا چیزوں کی اساس تک جا پہنچتا ہے۔ لہذا ہمیں اس خرابی کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے سے تیار ہونا چاہیئے۔

C

ہمیں بہت بڑی تعداد میں تجربات کو تلاش اور حاصل کرنے ہی کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے بلکہ تجربہ کے تسلسل کو برقرار رکھنے اور پیش رفت کرنے کے لئے ایک مکمل طور پر مختلف طریق کار، ترتیب اور ترقی کو بھی رائج کرنا چاہیئے، غیر واضح اور بے قاعدہ تجربہ (جیسا کہ ہم

بیان کر چکے ہیں) محض اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہے۔ یہ رہنمائی دینے کی بجائے حیران کرنے والا ہوتا ہے۔ جب تجربہ کو باقاعدہ طور پر بڑھنے دیا جائے اور ایک متعین قاعدہ کے تحت اس میں خلل نہ ڈالا جائے تو اس کے نتیجہ میں ہم سائنسی علوم سے اچھی توقعات وابستہ کر سکتے ہیں۔

CIV

ہم فہم کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ اس کی پرواز جزئیات سے بعید ترین اور عمومی اصول متعارفہ تک ہو (جن کو اصطلاح میں فنون اور اشیاء کے اصول کہتے ہیں) اور وہ جزئیات کی مفروضہ غیر متزلزل صداقت کے مطابق وسطی اصول متعارفہ قائم اور ثابت کرے۔ موجودہ زمانہ تک یہ کام اثبات کے قیاس منطقی کے طریق سے فہم نے اپنے فطری میلان سے کیا ہے کیونکہ اس کو اسی طریقہ کی تعلیم ملی تھی اور اسی کا عادی تھا۔ جب صعود ایک حقیقی پیمانے پر اور یکے بعد دیگرے آنے والے زینوں کے ذریعے ہو اور اس میں کوئی خلل یا رکاوٹ نہ آئے، یعنی جزئیات سے مسلمات ادنیٰ کو وہاں سے مسلمات وسطی کو اور آخر میں مسلمات عمومی کی طرف پہنچا جائے تو سائنسی علوم کی ترقی کے لئے اچھا شگون ہوگا۔ سب سے ادنیٰ مسلمات سادہ تجربات سے بالکل معمولی طور پر مختلف ہوتے ہیں جب کہ عمومی و اعلیٰ مسلمات (اب تک کے معیار کے مطابق) تصوراتی، تجریدی اور حقیقی وزن کے بغیر ہوتے ہیں۔ وسطی مسلمات درست، ٹھوس، زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں اور انہی پر بنی نوع انسان کے معاملات اور قسمت کا انحصار ہے۔ ان سے آگے حقیقی طور پر عمومی نوع کے مسلمات ہیں، جو مجرد نہیں، اور وہ وسطی مسلمات سے محدود کئے ہوئے ہیں۔

لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ فہم کو پرواز کے لئے بال و پر فراہم نہ کریں بلکہ اس کو چھلانگ یا پرواز سے روکنے کے لئے اس پر بوجھ ڈالیں۔ پہلے ایسا نہیں ہوا۔ جب یہ کام کر

دیا جائے تو سائنسی علوم سے بڑی توقعات وابستہ کی جاسکیں گی۔

CV

مسلمات قائم کرنے کے لئے ہمیں استقراء کا ایک نیا طریقہ ایجاد کرنا چاہیئے جو اس طریقہ سے مختلف ہو جو اب تک استعمال میں رہا ہے۔ وہ (نام نہاد) اصولوں کے اثبات و دریافت ہی کے لئے کارآمد نہ ہو بلکہ ادنیٰ' وسطی بلکہ یہ قسم کے مسلمات کے اثبات' دریافت کے لئے بھی کارآمد ہو۔ بیان مجمل کے ذریعے کیا جانے والا استقراء طفلانہ ہے۔ اس سے غیر یقینی نتائج برآمد ہوتے ہیں کسی ایک متناقض مثال کی صورت میں اس کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اس میں فیصلہ' نہایت معمولی تعداد میں حقائق اور وہ بھی نہایت صریح' کی روشنی میں ہو جاتا ہے۔ فی الحقیقت فنون و سائنسی علوم کے اثبات و دریافت کے لئے مفید استقرا وہ ہوگا جو عالم طبیعی کو' معقول استرداد و استثناء کو کام میں لاکر' الگ الگ کرے' پھر بڑی تعداد میں منفی قضیوں کو جمع کرنے کے بعد مثبت قضیوں کا نتیجہ نکالے' یہ کام نہ تو پہلے کبھی ہوا اور نہ اس کی کوشش کی گئی۔ شاید ایک استثناء افلاطون کا ہے جو تعریفات کو تصورات سے علیحدہ کرنے کے لئے کسی حد تک استقرا کا یہ طریقہ استعمال کرتا ہے۔ جس طریقے کا بڑا حصہ ابھی انسان کے خیالات میں اپنی جگہ نہیں بنا سکا اسے استقرا و اثبات کے ایک اچھے اور جائز طریقہ کی حیثیت سے لازماً کام میں لانا ہوگا۔ بلکہ ہمارے اوپر لازم ہونا چاہیئے کہ ہم نے جتنی محنت قیاس منطقی پر کی ہے اس سے زیادہ محنت اب اس طریقہ پر کریں۔ استقراء کی معاونت مسلمات کی دریافت ہی کے لئے نہیں بلکہ ہمارے تصورات کی توضیح کے لئے بھی ضروری ہے۔ استقراء کی اس قسم سے' جس کو ہم نے بیان کیا ہے' بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔

CVI

استقراء کے طریقہ سے مسلمات قائم کرنے میں ہمیں اس بات کی جانچ کرنی ہوگی کہ آیا ایک مسلمہ جن مثالوں سے مستنبط ہوا ہے وہ انہیں کے ساتھ منطبق ہوتا ہے یا اس کا اطلاق وسیع تر اور عمومی ہے۔ اگر یہ مسلمہ موخرالذکر قسم کا ہے تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کیا یہ اپنی وسعت اور عموم کا اثبات اس طرح کرتا ہے یا نہیں کہ وہ نئی جزئیات کی نشاندہی کرنے کا ضامن بنتا ہو۔ ایسا کرنا اس لئے ضروری ہے کہ نہ تو ہم حقیقی دریافتوں پر جا کر رک جائیں اور نہ مجسمہ و محدود نوع کی چیزوں کی بجائے محض وہم اور جریدی شکلوں کو پکڑ کر بیٹھ جائیں۔ جونہی ہم یہ کام کرلیں گے تو عقل کہتی ہے کہ امید کی کرنیں پھوٹنے لگیں گی۔

GALILEO

گلیلیو

گلیلیو گلیلی (1564-1642) عظیم فلکیات دان اٹلی کے شہر "پیسا" میں پیدا ہوا۔ وہ ایک ذہین تجرباتی سائنسدان اور ریاضی دان تھا۔ وہ یونیورسٹی پیسا میں ریاضی کا پروفیسر بن گیا۔ انیس سال کی عمر میں اس نے ایک سادہ پینڈولم کا مشاہدہ کیا جو کہ برابر مقدار میں آگے اور پیچھے کو جھولتا ہے' بعد میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمام اجسام خواہ ان کا وزن کچھ بھی ہو وہ ایک ہی ولاسٹی سے زمین کی طرف آتے ہیں۔

اس نے اپنے تجربات جاری رکھے۔ اس کے ان تجربات کے حقائق نے قدیم ارسطائی طبعیات کی بنیادوں کو ختم کر دیا۔ وہ پورے یورپ میں مشہور ہو گیا۔ اس طرح اس نے میڈیسی خاندان کی سرپرستی میں فلورنس میں کئی دیگر انقلابی دریافتیں کیں۔ ان میں سے سب سے بڑی ایجاد دوربین تھی۔ دوربین کے استعمال سے اس نے بہت سے مشاہدات کیے' جس سے اس نے "کوپرنیکس" کے مفروضہ کو صحیح ثابت کر دیا کہ سورج افلاکی نظام کا مرکز ہے۔ وہ اپنے مشاہدات سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ ملکی وے (Milkyway) الگ الگ ستاروں کا ایک بہت وسیع راستہ ہے۔ مشاہدات کے ان نتائج نے آہستہ آہستہ انسان کے ذہن کو تبدیل کر دیا کہ زمین اور کائنات کے بارے میں جو تصور تھا وہ خود انسان نے قائم کیا تھا۔ اس طرح ارسطائی نظریہ ختم ہو گیا کہ زمین کائنات کا مرکز ہے۔

ہم دیکھیں گے کہ اس صدی کے عظیم فلاسفروں نے جن میں "اسپائی نوزا" اور "لیبنز" شامل ہیں کہ انہوں نے اس کائنات کی شکل کے بارے میں کیسے عظیم نظریات دیئے۔

کیتھولک چرچ نے گلیلیو پر مقدمہ چلایا کہ اس کی دریافتیں مذہبی عقیدہ کے خلاف ہیں اور گلیلیو کی ذات پر شدید حملہ کیا۔ اس وقت وہ ستر سال کا بوڑھا تھا اس کی صحت بھی خراب تھی۔ اسے عدالت کے سامنے پیش ہونا پڑا اور ایک طویل کارروائی کے بعد اس کی سچی آراء سے دستبردار ہونے کو کہا گیا۔ جس سے اس کی قید کی سزا کو ملتوی کر دیا گیا۔ گلیلیو فلورنس واپس لوٹ آیا اور طبعیات میں مزید دریافتیں کیں۔

چرچ کو امید تھی کہ اس نے طاقت کے ذریعے سچ کے بیان کو کچل کر رکھ دیا ہے جس کی بنیاد حقیقی مشاہدات پر تھی' لیکن چرچ اس میں ناکام رہا اور اسے ہزیمت اٹھانا پڑی۔

گلیلیو کے شاندار کام کی بنیاد دو اصولوں پر تھی جو کہ جدید سائنس میں رہنما اصول تسلیم کئے گئے ہیں۔

پہلا اصول کہ بیانات اور نظریات ہمیشہ فطری مشاہدات کے مطابق ہونے چاہیئے نہ کہ اختیاری دوسرا اصول' فطری عمل کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اسے ریاضی کی اصطلاح میں بیان کیا جائے۔

اس کے یہ اصول اس کے مقالہ "دنیا کے دو عظیم نظام" میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کا دوسرا اصول پہلے اصول کی روشنی میں بیان ہوا ہے۔

(سوال نمبر 6) یوں ہے کہ فلسفہ کا مطلب ہے "فطری فلسفہ" جس میں تمام علم شامل ہو۔ (سوال نمبر 48) کہ طبعی فطرت کو سمجھا جائے اور اسے سائنس کے حوالہ سے پیش کیا جائے اور جو چیزیں ناپی جا سکیں مثلاً (شکل' کیت' مقدار اور حرکت) ان کو بلاواسطہ اسی اصطلاح میں پیش کیا جائے اس امتیاز کو ہی بنیادی خصوصیات کا نام دیا جاتا ہے' جو کہ بلاواسطہ اشیاء کی ناپی جانے والی خصوصیات ہیں۔ اور ثانوی خصوصیات (بوباس' ذائقہ' آوازیں اور رنگ) ہیں۔

یہ ثانوی خصوصیات اشیاء کی اصل حالت کو پیش کرتی ہیں' ان کا عمل صرف ہمارے حواسی اعضاء پر طبعی اثرات مرتب کرنا ہے۔ طبعی فطرت خود بخود عمل پذیر ہوتی ہے۔ اس کو طبعیات کے قانون اور میکانیات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ اس کو ہماری عام زبان میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

آئندہ صدی میں بشپ برکلے نے مفروضہ قائم کیا کہ ثانوی خصوصیات کے بغیر ہی بنیادی خصوصیات کو سمجھا جاسکتا ہے۔

گلیلیو نے جو ان خصوصیات میں امتیاز قائم کیا تھا ان کو ہی ڈسکارٹس نے اپنے فطری فلسفے کی بنیاد بنایا۔

فلسفے کی جو بہت بڑی کتاب لکھی گئی وہ ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ ہے "کائنات" لیکن اس کو اس وقت تک پڑھنا ممکن نہیں ہے' جب تک ہم اس کی زبان اور اس کے کرداروں کو نہ سمجھ لیں' جو کہ اس کائنات کی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کی زبان ریاضیاتی زبان ہے اور اس کے الفاظ زاویے' دائرے اور دیگر جومیٹری اشکال ہیں اس لئے جب تک ہم ان کے بارے میں نہیں جانیں گے تو ہم اس کائناتی کتاب کا ایک لفظ تک نہیں سمجھ سکیں گے۔

میں نے ایک مادی اور بدنی نظریہ قائم کیا ہے جس میں تمام لب لباب ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کے بارے میں قائل کروں کہ اس مادی نظریہ کی حدیں ہیں اور اس کی ایک شکل ہے اس کا تعلق ان تمام اشیاء سے ہے جو کہ خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی' وہ اس جگہ ہوں یا کسی دوسری جگہ' وہ اس وقت موجود ہوں یا پھر کبھی موجود ہوں' وہ متحرک ہوں یا غیر متحرک' وہ کسی جسم سے ٹکرا رہی ہوں یا نہ ٹکرا رہی ہوں' وہ ایک ہوں یا بہت سی' میں اس کی لامتناہیت کو اپنے تصور میں لانے کی کوشش نہیں کرسکتا' میں ان کو اس تعلق سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔

اسی طرح دوسری جانب میں ان اجسام کو علیحدہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ وہ سفید ہوں یا کہ سرخ' وہ تلخ ہوں یا شیریں' وہ گونجدار ہوں یا خاموش' ان کی باس اچھی ہو یا بری۔

اگر ہماری حسیّات ان کی خصوصیات کے بارے میں آگاہ نہ کریں تو صرف تصور کے ذریعے ان کے بارے میں ہم کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ تاہم ان اشیاء کے ذائقے' بوئیں اور رنگ وغیرہ جن کے ذریعے وہ پہچانے جاتے ہیں صرف ناموں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے؛ ان کا اثر صرف احساسات پر ہوتا ہے' اگر ان کی یہ خصوصیات ختم کردی جائیں تو یہ خود بخود اپنا وجود ختم کرلیں گی۔ اگر ان کو خاص مختلف نام دے دیئے جائیں جو کہ ان کی اصل بنیادی خصوصیات کے حوالہ سے ہوں تو ہم خود بخود سچائی اور اصلیت تک پہنچ جائیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان کا اجسام کی بیرونی سطح پر کوئی اثر نہیں ہوتا جیسا کہ ذائقہ' رنگ' بو' آوازیں لیکن سائز' شکل' مقدار اور تیز یا کم حرکت ضرور اثر انداز ہوتی ہیں۔

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر کان' زبان اور ناک کو ختم کردیا جائے تو شکل مقدار اور حرکت تو رہے گی لیکن کوئی بو' ذائقہ اور آواز پیدا نہیں ہوگی جو کہ انسانی زندگی کا حصہ ہے۔

اس لئے میں صرف الفاظ پر یقین رکھتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

HOBBES

ھابس

تھامس ھابس 1588ء میں پیدا ہوا اور 1679ء میں فوت ہوا' وہ اپنی بہترین یادداشت اور طنز کی وجہ سے بہت مقبول ہے۔ وہ " کوینڈش" خاندان کا اتالیق بن گیا۔ اس طرح اس نے فرانس اور اٹلی کا سفر بھی کیا۔ اس نے "بیکن" کے ساتھ کام بھی کیا لیکن ایک فلسفی کے طور پر اس کی پہچان نہ ہوئی۔ وہ گلیلیو کی طبعیات سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ وہ گلیلیو سے ملنے اٹلی بھی گیا۔

پھر اس نے "بصریات" میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ جو کہ اس دور کی ترقی پذیر سائنس تھی۔ اس نے "ڈیکارٹ" کا بہت جوش سے مطالعہ کیا۔

1640ء میں اس نے " قانون کے عناصر" (Elements of Law) لکھی جو قطعیت کے دفاع میں تھی۔ جب اس نے بھانپ لیا کہ پارلیمنٹ کے ارکان نے اس کتاب کو بہت متاثر کیا ہے تو وہ فرانس چلا گیا یہاں وہ 1651ء تک رہا۔

لاطینی طرز پر اس کا " قانون" پر کام پیرس میں "Decive" کے نام سے شائع ہوا۔ چرچ نے اس کتاب کا پڑھنا ممنوع قرار دے دیا۔ پیرس میں انقلاب کے دنوں میں اس نے پر جوش طریقے سے انگریزی سیاسیات کو اپنایا کیونکہ اس نے " کرومول" کی کامیابی کو بھانپ لیا تھا۔

"لیویاتھن (Leviathan) " جو کہ اس کا عظیم ترین شہکار ہے اس نے انہیں دنوں لکھی اس میں وہ غیر مذہبی طاقت وریاست پر زور دیتا ہے۔ بے شک ریاست جمہوری ہو یا بادشاہی اس کو مذہب سے آزاد رہ کر طاقت ور بنایا جا سکتا ہے۔

1651ء میں وہ واپس لندن لوٹ آیا اور کرومول کے لئے کام کرنا شروع کر دیا اس دوران اس نے بادشاہت پسندوں کے ساتھ دوستانہ تعلق رکھا۔ 1755ء میں پہلی دفعہ اس کی کتاب "Decorpore" شائع ہوئی اس میں اس نے پادریوں پر پھر شدید حملہ کیا کہ ریاست میں ان کے اثر کو ختم کیا جائے۔

جب وہ فرانس میں چارلس دوم کا اتالیق تھا تو اسے لندن آنے پر خوش آمدید کہا گیا لیکن اس کے رجزیہ ترانے کو کوئی مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ اس طرح اس کا ابتدائی کام بھی شائع نہ ہو سکا۔ وہ نوے سال کی عمر تک لکھتا رہا۔

وہ ایک مضبوط شخصیت کا مالک تھا۔ وہ طنز' تیزی اور ذہانت کے ساتھ ساتھ عظیم الجثہ تھا۔ وہ طاقت کی تعریف کرتا تھا اور ذہن کی وسعت کا بھی قائل تھا۔

وہ مذہبی تفرقے اور توہم پرستی سے خائف تھا۔ وہ اپنے دور کی مقبول شخصیت تھا اور ذہنی آزادی کے حوالے سے اسے بارہا جلاوطن ہونا پڑا۔

ھابس ایک مادیت پرست اور تشکیک کا شکار تھا۔ اس نے تعلیمی فلسفہ پر بہت حملے کئے اس حوالے سے اس کا کردار اور الفاظ بے معنی سے ہیں اس کی تقریریں دلائل کے بغیر ہیں۔

اس کا کہنا ہے الفاظ اس وقت بامعنی ہوتے ہیں جب ان کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ عقل وشعور سے ہو۔ عقل اور حواس کی خصوصیات اجسام پر محرک پیدا کرتی ہیں جو کہ ہمارے جسم پر عمل پذیر ہوتی ہے۔ یہ محرکات ہمارے اجسام پر کچھ نقوش چھوڑتے ہیں اور اس کے تعلقات کی سمت درست کرتی ہے۔ تخیل اور یادداشت اسی باعث ہوتے ہیں جو کہ علامتوں کو استعمال کرتے ہیں کچھ نام کائناتی نام ہوتے ہیں جو کہ ایسی ہی خوبیوں کے حامل ہوتے ہیں۔

سچ ایک صحیح ضابطہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہم جس سچ کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسے موزوں

سمجھتے ہیں، ہم اسے الفاظ میں الجھا دیں گے ہم اس وقت تک اس کو سمجھ نہ سکیں گے۔ جب تک ان الفاظ کی تعریف متعین نہ کرلیں جو اس کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

فلسفی جیومیٹری دانوں کی طرح نہیں ہیں کیونکہ فلسفی جیومیٹری دانوں کی طرح طریق کار نہیں اپناتے۔ جو کہ واضح تعریفات پر مشتمل ہوتا ہے اسی وجہ سے جومیٹری کے نتائج درست ہوتے ہیں اس لئے فلاسفہ کو بھی ایسا ہی طریق استعمال کرنا چاہیئے۔

"اسپائی نوزا" نے بھی اپنی اخلاقیات "Ethics" میں فلسفیانہ بحث میں اسی جومیٹری کے طریق کار کو اپنایا ہے۔

ھابس نے بھی خود بھی لیویاتھن Leviathan میں اسی طریق کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔

"یوکلیڈ" کا بھی ھابس کے فلسفے پر کافی اثر ہے۔ ھابس نے ذہنی تعمیر کے فلسفے کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ذہن کے کام کرنے کی صلاحیت یادداشت کے حقائق اور تصورات کو استعمال کیا ہے اگر علامتیں اور تصور ایک دوسرے سے مربوط ہوں تو نتائج درست ہوں گے۔

استدلال صرف ایک تخمینہ ہے کہ کس طرح علامتوں کو ترتیب دیا جائے۔

میکانیات کا علم ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کو کس طرح کا استدلال اپنانا چاہیئے۔ میکانیات میں ہم اجسام کی حرکات کا تخمینہ اثر پذیری اور سبب کے قانون کے مطابق کرتے ہیں اور انسانی ذہن کی حرکات کا تخمینہ بھی اس طرح لگایا جاسکتا ہے۔

میکانیاتی فلسفہ سے ہم انسانی ذہن سے سادہ طریق سے وہ جذبات اور احساسات لے کر کہ جن کی بنیاد سیاسی فلسفہ ہے کا تخمینہ لگا سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆
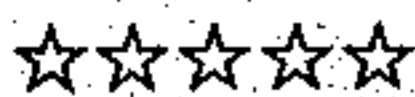
ھابس کے سیاسی فلسفے میں ایک زبردست حقیقت ہے اس کے نظریہ علم کی نسبت حقیقت کو فوقیت حاصل ہے۔اس کی یہ کوشش کہ واضح تصریفات اور سائنسی طریق کا رایک روایتی مابعد طبعیاتی فلسفہ جو کہ مہمل ہے اس کی مثال بیسویں صدی کے مثبت منطقی فلسفہ سے دی جاسکتی ہے۔

اس نے جو اسٹائل وضع کیا وہ کھر درا اور بلا واسطہ ہے۔وہ فلسفے کا ایک مضحکہ خیز اسکول کا خواہاں تھا۔اس کا کہنا تھا کہ ضروری نہیں کہ حقائق تک پہنچا جائے اس کی یہ بے نتیجہ بحث مادہ پرستی اور ٹھنڈے جذبات کا نتیجہ تھی۔

اس کی کتاب "Brief Lives" کا یہ پیرا اس کی شخصیت کا پرتو ہے۔وہ ایک سادہ سی عام مثال سے اپنی بات شروع کرتا ہے کہ ایک عام سا خیال ایک ایسا تصور تخیل میں لے آتا ہے۔جو کہ مادی اشیاء اور احساسات کے درمیان واسطہ بنتا ہے اور پھر تصورات کی ایک قطار ذہن اور دل میں تحریک پیدا کرتی ہے۔اور یہی محرکات بعد میں ارتعاش پیدا کر کے تصورات میں بلندی پیدا کرتے ہیں۔

ھابس تصورات کو ذہنی تجربہ کا نام دیتا ہے۔وہ صرف گفتگو کے حوالہ سے ان کی درجہ بندی کرتا ہے۔ہم جب چاہیں ماضی کے واقعات کو دھرا سکتے ہیں۔

اس کے اس نظریہ کے حوالہ سے کہ ہم اندرونی طور پر ان اشیاء کو ایک جسمانی حیثیت دے سکتے ہیں اس کا یہ نظریہ ڈیکارٹ سے مماثلت رکھتا ہے۔اس کے ان خیالات کی بازگشت لاک' اور برکلے کے نظریات میں سنائی دیتی ہے۔

اس کے بعد ھابس "تصورات کی قطار" پر بحث کرتا ہے کہ تمام خیالات کا اظہار الفاظ کے ذریعے ہوتا ہے اور یہ خیالات ذہنی تصورات سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کا تعلق ماضی اور مستقبل سے بھی ہے اس کا کہنا ہے کہ اس نظریہ کے مطابق بعض اوقات حیوانات'

انسانوں سے زیادہ مستفید ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

احساسات

انسانی خیالات کے حوالہ سے پہلے تو میں ایک خیال اور پھر مجمع خیالات پر بات کروں گا جن کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔

ہر خیال میں کچھ خوبی ہوتی ہے یا پھر کسی جسم سے حادثاتی طور پر ٹکرانے سے جس کو عام طور پر "شے" کہا جاتا ہے۔ ایسی شے کو ہماری آنکھیں کان اور جسم کے دوسرے اعضاء کام کرتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں یا محسوس کر سکتے ہیں۔

ایسا کام اور اس کی ظاہری صورت ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان تمام کی اصل احساسات ہیں۔ (تمام کاموں کو اس اصل سے ہی کنٹرول کیا جاتا ہے)

حس کا سبب بیرونی جسم ہے یا کوئی ٹھوس چیز جو کہ کسی انسانی اعضاء سے ٹکراتی ہے تو فوراً اس کا اثر ذائقے کی صورت میں یا چھونے کا عمل سونگھنے کا عمل جس کا دباؤ توجہ کی وجہ سے رگوں پر ہوتا ہے اور یہ کھنچاؤ جسم کی اوپری جھلی پر ہوتا ہے اور لگا تار انسانی ذہن اور دل کی طرف جاتا ہے۔ اس ہی نظری یا تصور کو حس کہا جاتا ہے اور یہ ان چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنکھ میں بصارت یا رنگ کان کے لئے آواز ناک کے لئے باس زبان کے لئے ذائقہ اور بیرونی جسم کے لئے سردی، گرمی، سختی، نرمی اور دوسری خصوصیات، وہ تمام خصوصیات جنہیں حس کہا جاتا ہے ان کے سبب ان چیزوں میں ہی موجود ہوتے ہیں جو کہ ہمارے اعضاء پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ اثرات ہم تصور کے لئے محسوس کرتے ہیں جیسے کہ جاگنا، خواب دیکھنا، دباؤ، رگڑ یا آنکھ جھپکنا یہ سب کچھ تصور سے ہوتا ہے لیکن عیسائیت کی

تمام جامعات میں جو فلسفے کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی بنیاد ارسطو کے فلسفے پر ہے۔ جس میں ایک اور عقیدے کی تعلیم دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ بصیرت کی وجہ سے چیزوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ دیکھنے کے عمل کی ایک قسم ہے جو کہ کسی ایک شے کے پہلو کو دیکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے اور سنائی اس وجہ سے دیتا ہے کہ جب کوئی آواز کان میں داخل ہوتی ہے، تو سننے کا عمل ہوتا ہے پھر اس کو سمجھنے کی وجہ بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ آواز کی وجہ سے پتہ چل جاتا ہے کہ آواز کس چیز کی ہو سکتی ہے میں جامعات کے اس طریق علم کی مخالفت نہیں کرتا لیکن میں اس طریق میں ترمیم چاہتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

تخیّل

جب کوئی چیز ساکت ہو تو وہ اس وقت تک ساکت رہے گی کہ جب تک کوئی دوسری قوت اس پر اثر انداز نہ ہو۔ یہ ایک ایسا سچ ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن جب کوئی چیز متحرک ہو تو وہ ہمیشہ متحرک رہے گی جب تک اس پر کوئی بیرونی قوت اثر انداز ہو کر اس کو روک نہ دے۔ اس دونوں میں اسباب مشترک ہیں (کوئی چیز اپنے آپ میں خود بخود تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی)

اشخاص کو دوسرے اشخاص سے ناپا نہیں جا سکتا لیکن دوسری چیزیں خود بخود دوسری چیزوں سے ناپی جا سکتی ہیں کیونکہ ان پر درد اور تھکاوٹ کا اثر نہیں ہوتا۔ بے جان چیزوں میں کوئی تحریک پیدا نہیں ہوتی اس لئے یہ انسانوں سے مختلف ہیں۔ آدمی خواہش کی وجہ سے ایک علیحدہ چیز ہے جیسا کہ علم کہتا ہے کہ بھاری چیزیں نیچے کی طرف گرتی ہیں اور یہی ان کی فطرت ہے۔ جب کوئی جسم متحرک ہو اور اسے روکا جائے تو وہ ایک دم نہیں رکے گا بلکہ اسے

کچھ وقت لگے گا۔ جیسا کہ ہم پانی میں دیکھتے ہیں کہ لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتیں۔ یہ ایک قوت کی وجہ سے متحرک ہوتی ہیں جو کہ ہوا میں موجود ہوتی ہے اسی طرح آدمی کے اندر بھی کچھ لہریں کسی بیرونی قوت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جب وہ کسی چیز کو دیکھتا ہے یا خواب میں ہوتا ہے۔ جب وہ چیز سامنے سے ہٹ جاتی ہے یا آنکھ بند ہو جاتی ہے تو ہم اس چیز کا تصور محفوظ کر لیتے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جسے لاطینی Imagination (تخیّل) کہتے ہیں۔ تصورات کسی چیز کو دیکھنے سے بنتے ہیں لیکن یونانی اسے Fancy (تخیّل) کا نام دیتے ہیں۔ جو چیزیں ظاہری ہیں ان کے تصورات کو Imagination کہا جاتا ہے اگرچہ ان کی کوئی ٹھوس شکل نہیں ہوتی۔ یہ حس انسانوں اور دوسری مخلوق میں بھی پائی جاتی ہے ہم سوتے جاگتے کوئی بھی چیز تصور میں لا سکتے ہیں۔

انسانوں کے جاگنے کی حالت میں حس شکست و ریخت کا شکار ہوتی ہے لیکن حرکت کی حالت میں یہ توڑ پھوڑ کا شکار نہیں ہوتی۔ جیسے کہ سورج کی روشنی میں ستاروں کی جھلملاہٹ ختم ہو جاتی ہے اور رات کو یہی ستارے پوری آب و تاب سے چمکتے ہیں۔ یہی حال ہماری آنکھوں کانوں اور دوسرے اعضاء کا ہے۔ جن کے ذریعے ہم کسی چیز میں تمیز کر سکتے ہیں۔ آدمی کے جسم میں ایک مسلسل تبدیلی جو کہ وقت کے ساتھ شکست و ریخت کا باعث بنتی ہے وہ احساسات کو بھی کمزور کرتی جاتی ہے۔ وقت کا یہ فاصلہ ہم پر اثر انداز ہوتا ہے جیسے ہم کسی چیز کو بہت دور سے دیکھتے ہیں تو وہ بہت مدھم سی نظر آتی ہے۔ ایسی ہی ہمارے جسمانی اعضاء وقت کے فاصلے کی وجہ سے مدھم ہوتے جاتے ہیں اسطرح وقت کے فاصلے کے ساتھ ساتھ ہماری ماضی کے تصورات کمزور ہوتے جاتے ہیں (مثال کے طور پر وہ شہر جو ہم نے بہت پہلے دیکھے ہوتے ہیں اس کی بہت سی گلیاں وقت گزرنے کے ساتھ ہم ان کو بھولتے جاتے ہیں) اس چیز کو ہی ہماری حسیات کی شکست و ریخت کہتے ہیں۔ جو بات ہم

بیان کرتے ہیں اس کو ہی ہم اپنی سوچ یا تخیل کا نام دیتے ہیں۔ وقت کے فاصلے کی وجہ سے یہ خیالات ماند پڑتے جاتے ہیں۔ اس کو ہم حافظہ بھی کہہ سکتے ہیں یہ تخیل اور حافظہ ایک ہی چیز ہے۔

بہت زیادہ حافظہ یا بہت سی چیزوں کو یاد رکھنے کو تجزیہ کہا جاتا ہے۔ ہم ان محفوظ یادداشتوں کو فوراً حس کے ذریعے دوہرا سکتے ہیں۔

ہمارے ذہن میں بہت سے خیالات کا اجتماع ہوتا ہے۔ ہم اپنی خواہش کے مطابق اس مجموعہ خیالات سے ہر خیال کو علیحدہ کر سکتے ہیں۔ ایک آدمی تصور کر سکتا ہے کہ وہ ہرکولیس ہے یا سکندر (ایسا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو رومانیت پسند ہوتے ہیں) اس کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے خیالات آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو اس کی حساسیت کی پیداوار ہوتے ہیں جیسے ہم کچھ دیر تک سورج کو دیکھتے رہیں تو سورج سے نظریں ہٹا لینے کے بعد بھی سورج کا ہیولا ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گا۔ اگر کوئی آدمی اندھیرے میں چل رہا ہو تو وہ تصور کرے تو اس کے تصور میں بہت سے خیالات آئیں گے۔ اور انہی خیالات کو اس کی آنکھیں بھی دیکھ رہی ہوں گی (یہ جاگنے کی حالت ہے)۔

اس تخیل کو کوئی الگ نام نہیں دیا جا سکتا۔ سونے کی حالت میں یہ تخیلات ہوتے ہیں انہیں خواب کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حسیاتؑ کا نتیجہ ہوتے ہیں کیونکہ حسیات کا تعلق ذہن اور رگوں سے ہوتا ہے جو کہ حسیات کے اہم اعضا ہیں۔ سونے کی حالت میں ہونے والے خوابی عمل کا تعلق بھی ذہن اور دوسرے اعضاء سے ہوتا ہے۔ کیونکہ جاگنے کی حالت میں ان خوابوں کو بیان کیا جا سکتا ہے۔

جاگنے کی حالت کی بجائے، سونے کی حالت میں ہمارا تخیل بہت صاف ہوتا ہے۔ اس لئے خواب بھی بہت صاف ہوتے ہیں۔ اگر تخیل نہیں ہوگا تو خواب بھی نہیں ہوں گے۔

جب کسی شخص میں تخیل ابھرتا ہے (یا وہ مخلوق جو تخیل کی حامل ہے) تو وہ الفاظ کے ذریعے بیان ہوتا ہے' یا اشاروں کی شکل میں' اسے ہم عام الفاظ میں "سمجھ بوجھ" کہتے ہیں یہ چیز انسان اور حیوان میں مشترک ہے۔ جیسا کہ ایک کتے کو جب اس کا مالک پکارتا ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے' اسی سمجھ بوجھ کو اس کی خواہش نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس کے نظریات اور افکار اور اشیاء کے نام' مذاکرات اور گفتگو کی دیگر حالتیں ذہن کی پیداوار ہیں۔

نتیجہ یا مجمع خیالات

میں سمجھتا ہوں کہ مجمع خیالات' ایک خیال سے دوسرے خیال کو جنم دیتا ہے اس کو ہی ذہنی گفتگو کا نام دیا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کا اگلا خیال بالکل اس جیسا نہیں ہوگا جیسا کہ عام طور پر دیکھائی دیتا ہے۔

ایک خیال دوسرے خیال سے مختلف ہو سکتا ہے۔ ہم نے جس چیز کو پہلے دیکھا یا سنا نہیں ہوتا ہم اس کے بارے میں کوئی خیال نہیں رکھتے' تمام تصورات اور محرکات وہی ہوتے ہیں ہم جن کے بارے میں علم رکھتے ہیں۔

ذہن میں مجمع خیالات یا ذہن میں موجود الفاظ کے دو بڑے ذرائع ہیں۔

پہلا ذریعہ ایسا ہے جس کی کوئی سمت متعین نہیں ہے اور کوئی خاکہ وغیرہ یا نیت بھی نہیں ہوتی اس میں کوئی جذبات شامل نہیں ہوتے۔ یہ خود بخود پیدا ہوتے ہیں ان کا خاتمہ کسی خواہش پر یا کسی دوسرے جذبے کی وجہ سے ہوتا ہے یہ خیالات "حیران کن" ہوتے ہیں۔

یہ خیالات خواب کی صورت میں ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆
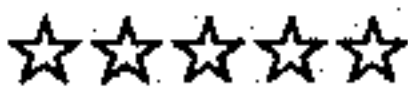
ایسے عام خیالات آدمی کی تنہائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور غیر محتاط رویے کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔ یہ خیالات آدمی کو ہر جگہ چمٹے رہتے ہیں لیکن یہ خیالات نقصان دہ نہیں ہوتے۔ جیسا کہ کسی ساز کی آواز جو کہ کسی ساز پر بجائی نہ گئی ہو اور یہ ایسے ہی آدمی کے ذہن میں گونجتی رہتی ہے جسے واہمہ کہا جا سکتا ہے۔ آدمی کئی دفعہ ایسے واہموں کا شکار ہوتا رہتا ہے اور ایک خیال دوسرے خیال سے منسلک ہوتا ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ذہن میں ایک خانہ جنگی ہو رہی ہو' دراصل اس کی حقیقت ایک رومن پینی (Panny) کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک بادشاہ اپنے دشمنوں پر غالب آ جائے۔ یہ خیالات بڑھتے بڑھتے اپنی حقیقت کو بڑھا لیتے ہیں اور ایک پینی (panny) کے مقابلے میں ان کی قیمت تیس پینس (Pence) سے بڑھ جاتی ہے۔ دراصل یہی دماغ کے خزانے کی قیمت ہے اور ایسے ہی تیزی سے یہ خیالات محو بھی ہو جاتے ہیں۔

دوسرا بڑا ذریعہ جو کہ زیادہ طاقت ور ہے' مسلسل کچھ خواہشات' کوئی خواہش یا نیت کو ابھارتا ہے۔ یہ انہی خیالات کا اظہار ہوتا ہے جو ہماری خواہش پیدا کرتی ہے یا پھر کوئی خوف۔ یہ بہت مضبوط اور مستقل ہوتا ہے اور ان کے نتائج بھی جلد ہی سامنے آ جاتے ہیں۔ یہ ہمارے اندر چھپے رہتے ہیں۔ یہ خواب کی صورت میں ہمیں جگا بھی دیتے ہیں' ان خیالات کے کوئی معنی ہوتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے مقاصد کے مطابق ہوتے ہیں اور یہ اپنا تسلسل جاری رکھتے ہیں جب مقصد پورا ہو جاتا ہے تو یہ ختم ہو جاتے ہیں۔

عظیم تاثرات اکثر ہمارے ذہن میں اترتے ہیں' جو کہ حیران کن حد تک ہوتے ہیں لیکن جلد ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یہی ہمارے ردعمل کا باعث بنتے ہیں۔

کبھی کبھی کوئی آدمی ان اعمال کو جاننے کی خواہش کرتا ہے تو وہ ماضی کے عمل کے

بارے میں سوچتا ہے تو واقعات ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں آتے جاتے ہیں اگر کوئی آدمی کسی جرم کے بارے میں سوچتا ہے تو جیل جج اور پھانسی کے تختے کے بارے میں بھی مجمع خیالات ایک مربوط شکل میں ذہن میں آتے ہیں۔ان خیالات کو **Foresight** کہا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

آدمی اور حیوانات کی زندگی کے درمیان انتشارِ خیال

ھابس زبان پر عبور رکھتا ہے یعنی وہ بول سکتا ہے' اس کا کہنا ہے کہ بولنے والے الفاظ کو دیکھا جاسکتا ہے۔وہ گفتگو اور اس کے استعمال کے بارے میں بہت ہی دلچسپ اور قابل قدر نظریات رکھتا ہے۔وہ فلسفیانہ خطرات کے بارے میں بہت ہی حساس ہے۔آدمی کے جذبات آزادانہ لیکن وہ کبھی کبھی ہچکچاہٹ کی وجہ سے منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ توہم پرستی کی وجہ سے ایک اپنا عقیدہ وضع کر لیتا ہے۔

وہ نشانات یا چیزیں جو کہ زبان کو ترتیب دیتی ہیں یعنی کہ جب ان چیزوں کو کوئی نام دیا جاتا ہے۔اس کو آدمی علامت کا نام دیتا ہے اور اسکو ہی اس چیز کا نام کہتے ہیں۔تو اس طرح ہر چیز کے لئے ایک علامت مقرر ہے (جسے اس چیز کا نام دیا جاتا ہے)

ھابس کہتا ہے کہ تمام حالات میں صرف زبان کو استعمال کر کے اپنے تاثرات کا اظہار نہیں کیا جاسکتا بلکہ بعض اوقات یہ کام جذباتیت بھی کرتی ہے۔اس نظریے کے مطابق ہم خط کی ذات کا اظہار زبان کو استعمال کئے بغیر کرتے ہیں اور خدا کی عزت و تکریم اور تقدس کا اظہار بھی جذباتیت سے کیا جاتا ہے۔ہم اس جذبے کے واضح سائے اپنے ذہن میں رکھتے ہیں۔

ھابس کی لیوتھن کی چوتھی کتاب کا آخری حصہ جس کو وہ خاص اہمیت دیتا ہے۔ دراصل اس میں وہ نظریہ علیحدگی علوم پر حملہ آور ہوتا ہے جس کی بنیاد ارسطو کے فلسفہ پر ہے۔ ارسطو کے نظریات کی بنیاد قابل قدر فلسفیانہ مشاہدات پر نہیں ہے بلکہ کسی ایک زبان کی صرف ونحو تک محدود ہے۔ اور زبان کا استعمال صرف زندہ جسم یا زندہ شخص کر سکتا ہے (اس کا یہ نظریہ چینی علوم سے اخذ شدہ ہے) یہ ایک فلسفیانہ نقطہ ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور نقاط بھی مربوط ہیں۔ یقیناً اس کے ساتھ مابعد الطبیعاتی نظریات نہیں ہیں اور ھابس ان نظریات پر ایک طویل گفتگو کرنے کے لئے تیار نہیں۔

ھابس بنیادی طور پر مابعد الطبیعاتی مسائل نظریہ اور علم کے بارے میں قطعاً بحث نہیں کرتا۔ اس کی دلچسپی سیاسی نظریہ میں ہے اور فلسفیانہ بنیاد پر قائم ایک مضبوط گورنمنٹ میں ہے اس لئے وہ اپنی پوری بصیرت ذہن کی طاقت کے لئے استعمال کرتا ہے وہ ایک حقیقی نابغہ تھا اور اس حوالے سے اس نے برطانوی بادشاہت کو مضبوط کرنے میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ لیکن اس کے اس کردار کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہ اپنے زمانے کا عظیم فلسفی ہے اور اس کی کتاب "لیوتھن" میں شروع سے آخر تک اس کی یہ عظمت نظر آتی ہے۔

☆☆☆☆☆
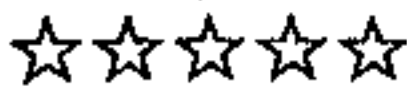
گفتگو

گفتگو کے عام استعمال یہ ہیں کہ ہم اپنے ذہنی تاثرات کو زبان کے ذریعہ یا اپنے مجتمع خیالات کو الفاظ کی شکل میں ادا کریں۔ اس کی دو اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارے خیالات کا ہمارے ذہن میں موجود ہونا اور گفتگو کے وقت یہ خیالات ہمارے حافظے سے نکل کر زبان پر آتے ہیں اور ان خیالات کو ہم بار بار دہرا سکتے ہیں اور اس کو ہم نشانات 'نوٹس' بلکہ اسے ہم

یادداشت کی علامتیں کہہ سکتے ہیں جب ہم بہت سے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں تو یہ ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں اس میں خواہش' خوف اور دوسرے جذبات بھی ہوتے ہیں اوران الفاظ کو ہی علامتوں کا نام دیا جاتا ہے۔ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو ہم اپنی یادداشت کے حوالے سے اس بات کی شناخت کر سکتے ہیں کہ کون سے باتیں ماضی کی ہیں اور کون سی حال کی۔ دوسری بات یہ کہ وہ باتیں جن کا ہم علم حاصل کرتے ہیں یا دوسروں کو بتاتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ ہم دوسروں کو اپنی خواہش اور مقصد بنا کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ ہم خود کیسے خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو خوشی کیسے دیتے ہیں ان تمام باتوں کا انحصار الفاظ پر ہے۔

☆☆☆☆☆

ہماری گفتگو میں چار چیزیں ایسی ہیں جو برائی یا گالی کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱۔ جب آدمی کے خیالات غلط ہوتے ہیں تو اپنے الفاظ کے ذریعہ ان کا اظہار کرتا ہے۔ اس سے وہ اپنے آپ کو بھی ملوث کرتا ہے۔

۲۔ جب عام الفاظ کا استعال کرتا ہے تو اس سے بھی دوسروں کو تکلیف ہو سکتی ہے۔

۳۔ جب وہ الفاظ کے ذریعہ اس مقصد کا اظہار کرتا ہے جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

۴۔ جب وہ ایسے الفاظ کا استعال کرتا ہے جس سے دوسروں کو پریشانی ہو اور وہ ہتھیاروں کا استعال کرتا ہے وہ اپنے دانتوں سے کسی کو تکلیف دے یا سینگوں سے یا پھر ہاتھوں سے' تو اس کو ناپسندیدہ عمل یا گفتگو کا نام دیا جائے گا، بے شک اس نے اس طرح اپنے دشمن کو ہی تکلیف پہنچائی ہو۔

☆☆☆☆☆

عقل اور سائنس

جب ایک شخص بے شمار الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ جو کہ انفرادی چیزوں کے لئے ہو' اگر وہ اسی طرح سوچتا رہے اور اس کا اختتام نہ ہو تو اس کو "غلطی" سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کچھ عقل مند لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں اور عام طور پر غلطی پر ہوتے ہیں اس طرح کی گفتگو کو غیر عقل مند گفتگو کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ گفتگو ماضی حال اور مستقبل کے بارے میں ہو سکتی ہے لیکن اس میں کوئی نئی دریافت نہیں ہوتی۔ جب ہم اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں جو کہ سچا ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ نا قابل فہم ہو کیونکہ اس میں الفاظ کی بجائے آوازوں کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

اس سے پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ اس معاملے میں حیوانات کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اب میں اعلیٰ ترین درجے کی طرف آتا ہوں جسے "ضرب المثل" کا نام دیا جاتا ہے جو کہ گفتگو میں وزن پیدا کرنے کے لئے حقائق کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ فلسفے کی اعلیٰ ترین شکل ہے اس میں بہت زیادہ حقیقت ہوتی ہے جیسا کہ سیسیرو کہتا ہے کہ فلسفیوں کی کتابوں میں کوئی چیز لغو نہیں ہوتی لیکن عقل کے بغیر ہم ان کو سمجھ نہیں سکتے۔ فلسفی جو نام اور اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں۔ ان کی تعریفوں اور ناموں کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔ جیسے کہ جیومیٹری کے کلیوں کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ ان کے نتائج کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا' اس لئے ان کلیوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ اور ان کی تعریفات کو سمجھنا اس سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہ شاندار الفاظ پر مشتمل ہوتی ہیں یہ بالکل حسابی الفاظ کی طرح ایک دو تین کی طرح ہوتی ہیں۔

اس لئے فلسفہ عقل اور سائنس پر مشتمل ہوتا ہے۔

تاریکی کی بادشاہت

اب ہم بے مقصد فلسفہ کے انفرادی اصولوں کی طرف آتے ہیں جو کہ جامعات میں پڑھائے جاتے ہیں جن کی بنیاد ارسطو کا فلسفہ ہے اور اس پر اندھا اعتماد کیا جاتا ہے۔ میں پہلے اس کے اصول بتانا چاہوں گا۔ یقیناً فلسفہ ایک اعلیٰ چیز ہے جس پر تمام فلسفے کا انحصار ہے۔ جو کہ کچھ اصولوں پر مشتمل ہے۔ جنکی شاندار روایات اور اس کے دوسرے تمام اصول اور تعریفوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا جس میں' وقت' جگہ' مواد' شکل' فاعل' مفعول' حادثات' طاقت' عمل' محدود' لامحدود' کمیت' خاصیت' حرکت' ردعمل' جذبہ' اور دیگر جہتیں' جو کہ شخص کے نظریات کی تشریح کیلئے ضروری ہیں اور فطری اجسام کی نسل کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ تشریح جو کہ معنی کی ترتیب ہوتی ہے اور دیگر اصطلاحات کو عام طور پر مابعد طبعیات کا نام دیا جاتا ہے۔ جو کہ ارسطو کے فلسفے میں بہت تھوڑا حصہ رکھتا۔ دوسرے الفاظ میں ایک ایسی کتاب جو ہو تو فلسفے کی لیکن اسے مافوق الفطرت فلسفے کا نام دیا جائے۔ تو اسی کو فلسفہ مابعد الطبعیات کہا جاتا ہے۔

اس مابعد الطبعیاتی فلسفے میں الہامی صحائف کے افکار بھی ملے جلے ہوئے ہیں۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یقینی طور پر روحانیت اجسام سے الگ کوئی چیز ہے۔ جسے تجریدی آسائش کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اسے حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ دراصل یہ اسکی غلط تشریح ہے۔ اور اسکی تصحیح کی ضرورت ہے۔ میں ان لوگوں سے معافی کا خواستگار ہوں کہ جو لوگ ایسی اصطلاحات، کا استعمال کرتے ہیں۔

دنیا (میرا مطلب ہے کہ صرف یہ زمین جس پر انسان رہتے ہیں بلکہ پوری کائنات جو اس میں موجود تمام اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہے) بلکہ اس موجود گہرائی لمبائی ہوا اور اس

میں موجود تمام اجسام صرف ایک وحدت ہیں بلکہ کائنات کا ہر حصہ ایک جسم کی مانند ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ارواح کوئی چیز نہیں ہیں بلکہ جو کچھ ہیں وہ اجسام ہیں اجسام جو نظر آتے ہیں۔ ہر چیز میں ایک کثافت ہے لیکن روحوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُن میں کوئی کثافت نہیں ہوتی۔

اب ہم ان بنیادی چیزوں کا جائزہ لیں گے جسے تجریدی آسائش کا نام دیا جاتا ہے۔ ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ جو الفاظ اس بارے میں علامتی طور پر استعمال ہوتے ہیں وہ کیا ہیں؟

ہم اپنے الفاظ کے ذریعہ دوسروں تک اپنے خیالات پہنچاتے ہیں۔ یہ خیالات اور نظریات ہمارے ذہن میں ہوتے ہیں جس میں اشیاء کے نام' اجسام کے نام' حسیات کی کام کرنے کی نوعیت اور وہ تاثرات جو تخیل پر اثر انداز ہوتے ہیں دوسرے وہ نام جو خود بخود تخیلات میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ تمام چیزیں جن کو ہم دیکھ سکتے ہیں یا اپنی یادداشت میں رکھتے ہیں یا گفتگو کے دیگر ذرائع جیسا کہ کائنات میں موجود وحدت اور کثرت مختلف چیزوں کی تعریفات' مثبت' منفی' سچ' جھوٹ۔ واضح یہ تمام چیزیں گفتگو کے ذرائع ہیں۔

اگر کوئی جسم ہے تو وہ نام بھی رکھتا ہے۔ وحدت میں کثرت کا مطلب ہے کہ ایک آدمی اپنے جسم کے بہت سے حصے رکھتا ہے۔ لیکن مجموعی طور ایک الگ جسم ہے اسی طرح لاطینی اور یونانی بھی مختلف اشیا کے مخصوص نام رکھتے ہیں۔ دینا میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن وہ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی نام ضرور رکھتے ہیں ان دیکھی چیز کا کوئی نام نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ کسی چیز کا کوئی نام نہیں رکھتے تو اس کے لیے کوئی علامت ضرور استعمال کرتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں "ایک آدمی "یا" زندہ آدمی "۔ تو اس کا ایک ہی مطلب ہے۔ یعنی وہ آدمی چلتا بھی ہے۔ بولتا بھی ہے۔ سانس بھی لیتا ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ یعنی ہم آدمی کی مزید تشریح بھی

کر سکتے ہیں لیکن ایسی چیز جس کو دیکھا نہ جا سکتا ہو اس کی تشریح کیسے ممکن ہے؟

آدمی اور اس کے تمام کام ایک فطری چیز ہے۔ تو ایسا ان دیکھی کے بارے میں جو فلسفہ ہوگا وہ بے معنی ہوگا۔ اور یہی فلسفہ ارسطو کا ہے جو ان دیکھی چیزوں کے بارے میں ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے پردے میں چھپا ہوا مکی کا بھٹہ جب تک اس پردے کو چاک نہ کیا جائے تو پرندہ اس کے دانوں کو نہیں کھا سکتا۔ ارسطو نے بھی ریاستی قوانین کی اطاعت کے لیے ایسی ہی چھپی ہوئی چیزوں کے نام لے کر افراد پر خوف طاری کر کے ان کی اطاعت کرنے کے بارے میں کہا ہے اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ جب ایک آدمی مر جاتا ہے اور اس کو دفن کر دیا جاتا ہے کہ اس کی روح اس کے جسم سے الگ ہو گئی ہے اور اس روح کو رات کے وقت قبروں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر عینیت پرست یہ بھی کہتے ہیں کہ روٹی کے ایک لقمے کا رنگ اور ذائقہ جیسے نظر نہیں آتا ایسے ہی روح نظر نہیں آتی۔ اور ایسا ہی وہ عقل اور اعتقاد کے بارے میں بھی کہتے ہیں اور ایسا ہی ان کا خیال جنت کے بارے میں ہے یا پھر وہ لوگ جو پادریوں کی اطاعت نہیں کرتے وہ خدا کے گنہگار ہوں گے۔ اسی طرح بھوتوں وغیرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جو ان پر یقین نہیں رکھتے وہ غلط راستے پر ہیں۔

☆☆☆☆☆

DISCARTES

ڈیکارٹ

اپنی ڈیکارٹ 1556ء میں پیدا ہوا۔ وہ ابھی ایک سال کا ہی تھا کہ اسکی والدہ انتقال کر گئی۔ اسکے اتالیق نے ایک گاؤں میں اسکی پرورش کی جے سوٹس نے اسکی تعلیم کا بندوبست La Fleche میں کیا اس نے اپنے استاد "جے سوئس" کے تعلیم دینے کے طریق کی تعریف اپنی کتاب Discourse on methed میں کی ہے اس نے poitiers میں قانون کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ پیرس چلا جائے اور وہاں تعلیم حاصل کرے۔ وہ موسیقی میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے شمشیر زنی میں بھی مہارت حاصل کی۔ موریس آف ناسیو (maurice of nassau) کی فوج میں بطور رضا کار شمولیت کی۔ اس تیس سالہ جنگ میں وہ پروٹسٹنٹ کی حمایت میں لڑا۔ اگرچہ ڈیکارٹ ہمیشہ کیتھولک رہا لیکن وہ اس جنگ کے حوالے سے ہمیشہ پریشان رہا کیونکہ ڈیکارٹ کا اصل مقصد مختلف ممالک کا سفر کرنا تھا۔ اور وقت گزارنا تھا۔ جب وہ ہالینڈ میں بریڈہ کے مقام پر تھا۔ تو اس نے فیصلہ کیا کہ ریاضیاتی سائنس پر ایک کتاب لکھے۔ جب وہ 1620ء میں جرمنی میں تھا۔ تو اس نے بہت بصرت افروز دو مقالے لکھے جو کہ اسکے فلسفہ میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ 1624ء میں وہ فرانس سے اٹلی چلا گیا۔ جہاں اس نے کنواری مریم کی داستان لکھی۔ 1629ء میں وہ ہالینڈ میں بس گیا اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ اپنی تنہائی اور آزادی میں کسی کو مخل نہ ہونے دے گا۔ 1637ء میں The Discourse on method کے مقام پر شائع ہوئی۔

اس کتاب کے حوالہ سے وہ اپنے دور کا مقبول ترین فلاسفر بن گیا۔ 1649ء میں وہ

ملکہ کرسٹینا کی دعوت پر ہالینڈ چھوڑ کر سٹاک ہوم آ گیا۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہالینڈ میں وہ مذہبی جھگڑے میں ملوث کرلیا گیا تھا۔ وہ اپنی تمام زندگی ایسے مسائل سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔

☆☆☆☆☆

وہ سٹاک ہوم میں نمونیا کی وجہ سے 1650ء میں وفات پا گیا 1641ء میں اسکی کتاب meditations فلسفے پر پہلی کتاب تھی جو پیرس میں شائع ہوئی۔ Principia Philosophiae 1644ء میں ایمسٹر ڈیم میں شائع ہوئی اور پھر The passions of the soul 1649ء میں پیرس میں شائع ہوئی۔ اسکی موت کے بعد بھی اس کا کام شائع ہوا۔

ڈیکارٹ ایک ایسا فلسفی تھا جس نے ہمیشہ سیاسی اور عوامی معاملات سے بچنے کی کوشش کی۔ وہ ایک سچا مفکر تھا اور اس کے فلسفے کے تاثرات بھی متاثر کن ہیں۔ اس نے اپنی بصیرت سے اپنے نظریات کو واضع کیا ہے۔ اس نے اپنے ہم عصر عظیم ریاضی دانوں سے خط و کتابت کی اور اپنے نظریات کو ریاضی کے اصولوں کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایک نابغہ تھا۔ اس نے جدید سائنس اور مذہب کے درمیان تضاد کو واضع کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات کی بنیاد بیچ پر رکھی اور مذہب اور سائنس کے درمیان ایک توازن برقرار رکھا۔ وہ یورپ کا عظیم انقلابی فلسفی بن گیا کیونکہ اس کے خیالات اور زبان انتہائی سادہ تھی۔ ڈیکارٹ کے نزدیک صاف اور یقینی علم کا نمونہ ریاضی ہے۔ اسکا کہنا ہے کہ یہ ایسا علم ہے جو قدم بقدم بڑھتا ہوا غیر متنازعہ نتائج کی طرف جاتا ہے۔ جب ہم ریاضی کے علم کو ایک طرف رکھ کر کسی علم کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں تو اسکے نتائج غیر یقینی غیر نظاماتی اور بغیر کسی عام ثبوت کے ہوتے ہیں۔ ایسا فلسفہ انتشار کا شکار

ہوتا ہے اور طبیعاتی سائنس چونکہ ریاضیاتی کلیہ کے مطابق ہوتی ہے اس لئے درست ہوتی ہے۔ ایک مربوط نظام اور طریق کار ہی ایک یقینی علم کی اساس ہے۔ فلسفے کا ایک مناسب طریق یہ ہے کہ اس کو انتہائی سادہ اور واضح حقائق سے شروع کیا جائے۔ سادہ خیالات قدم بہ قدم آگے کی طرف بڑھتے ہوئے مجموعی حقائق کی طرف جائیں اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ اس میں کوئی الجھاؤ نہ ہو۔ فلسفے میں ہر اس بیان کو رد کر دینا چاہیے جس میں کوئی شک ہو۔ یہاں تک کہ ذاتی شہادت سے حقائق تک پہنچا جائے جس میں کوئی شک کا شائبہ نہ ہو اور یہی علم کی صحیح بنیاد ہے۔

☆☆☆☆☆

ڈیکارٹ اپنے طریق کار کے عمل کو Discourse اور Meditation میں بیان کرتا ہے کہ ہر چیز پر شک کیا جائے جب تک کہ حقائق سامنے نہ آ جائیں اسکا کہنا ہے میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں اسکا کہنا ہے مجھے خدا کے وجود پر کچھ شک نہیں ہے۔ خدا کہ وجود پر یقین رکھنے کے کچھ اسباب ہیں۔ سب سے بڑا سبب اس دنیا کا وجود ہے وہ اپنے خاص ریاضیاتی طریق سے خدا کے وجود کی تصدیق کرتا ہے۔ ڈیکارٹ کے فلسفے میں نظریہ کا مقصد ہے کہ ہر وہ چیز جو شعور رکھتی ہے۔ اور محسوسات رکھتی ہے اور یہی وہ عناصر ہیں جن کی تحقیق سے حقائق تک پہنچا جا سکتا ہے۔

جب ہم خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہیں تو ہمیں اسکے اسباب پر بھی بھروسہ کرنا ہوگا اور وہ نظریات جو حقائق اور چیزوں کو پیش کرتے ہیں جن کی پرکھ ریاضیاتی طبیعات کے حوالے سے کی جا سکتی ہے ان کو صحیح علم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اسکا نظریہ شک اور یقین کا معیار تحقیقات کا متقاضی ہے۔ اسکی تعمیری مابعد الطبیعات بھی خاص اہمیت کی حامل ہے اسے جدید نظریہ علم کا بانی کہا جا سکتا ہے اسکا یہ سوال کہ میں کیسے معلوم کروں؟ اور کیا میں یقین کر

لوں؟ پہلا سوال فلسفے کا ہے اور آنے والی صدی میں اسی حوالے سے برٹنڈرسل نے بھی ایسا ہی سوال کیا تھا۔ وہ بھی علم کی بنیاد حقائق پر رکھنے پر یقین رکھتے تھے۔ ڈیکارٹ ایک مثبت فلسفہ ذہن اور ایک مثبت فلسفہ طبیعات پر یقین رکھتا ہے۔ وہ ان دونوں عقیدوں کو ایک ہی نظام کے حصے قرار دیتا ہے۔ یعنی انسانی نظریات اور شخصیت ایک ہی چیز ہیں۔ انسانی دماغ اور جسم دونوں ہی میکانیاتی نظام کے تحت کام کرتے ہیں۔ تمام سائنسی مسائل ریاضیاتی مسائل اور عملی زندگی کو اسباب کی فطری روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے۔ اسکا فطری روشنی کا یہ دعویٰ ایک شفاف طرز عمل اور فکر کا طریق ایک دوسرے سے منسلک ہے۔ کیونکہ فرانسیسی تہذیب کی بنیاد انقلاب فرانس کی مرہون منت ہے کیونکہ آنے والی صدیوں نے اسکو سچ کر دکھایا۔ وہ انسانوں کو سکھاتا تھا کہ وہ تجریدی علم کو رد کر دیں اور اپنے بارے میں غور و فکر کریں۔ اس نے ایک نظام واضع کیا۔ جو دو صدیوں تک فرانسیسی فکر کا قدرتی حصہ بنا رہا۔

☆☆☆☆☆

ڈیکارٹ کے "چھ Meditations" (مراقبہ) کا مختصر خلاصہ

ڈیکارٹ نے اپنے طریق کار پر یہ گفتگو 1697ء میں کی وہ اپنے طریقہ کار کی کچھ یوں تشریح کرتا ہے اور اس طریق کار کو ریاضیاتی طریق کے علاوہ فکر و تدبر کا نام دیتا ہے۔ وہ اپنے فلسفہ کی بنیاد سائنسی مفروضے سے کرتا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم کسی بھی شے کو سچ تسلیم نہ کریں بلکہ اس کی سچائی پر شک کریں۔

وہ کہتا ہے کہ " میں ہوں اس لیے خدا بھی ہے۔ اس لئے سچائی کی تلاش کے لئے تشکک پسندی ضروری ہے۔ بعض اوقات ہم اپنے حواس کے ذریعے کسی شے کو سچا مان لیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ سچ نہیں ہوتا ہم تشکک پسندی کے ذریعے ہی سچ تک رسائی حاصل

کر سکتے ہیں۔

جب ہم خواب دیکھتے ہیں تو وہ ہمارے اپنے ہی خیالات کا عکس ہوتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنے ماحول سے ہی سب کچھ حاصل کرتے ہیں۔جو خیالات ہمیں خواب میں آتے ہیں وہ جاگتے ہوئے بھی آسکتے ہیں اس لئے ضروری نہیں ہے کہ ان میں سچائی ہو۔

ایک بات ضروری ہے کہ ہمیں اپنے تشکک پسندی پر شک نہیں کرنا چاہئے یعنی ہر چیز کو شک کی نظر سے دیکھنا ہوگا۔شک کا تجزیہ کرنے سے ہی ہم سچائی تک پہنچیں گے۔

تشکک پسندی تو غور وفکر کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔شک کی طاقت کی خوبی یہ ہے کہ ہم اپنی ذات کا ادراک کر لیتے ہیں۔اس لیے وہ کہتا ہے کہ **"Cogito ergo sum"**
"I think there for I am"

اس کے بعد وہ اگلا سوال اٹھاتا ہے کہ کیا یہ مقولہ یقینی سچ ہے؟ وہ اس کا جواب یقینی اور واضح ہاں سے دیتا ہے۔کیونکہ اس نے تشکک پسندی کے ذریعے اپنی ذات کا ادراک کر لیا ہے اور اسطرح واضح اور صاف طور پر اسکی روح کی موجودگی اور خدا کی ذات واضح سچائیاں ہیں۔

غور وفکر وہ چیزیں ہیں جن پر ہم شک کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

MEDITATION-1

ہم فرض کرتے ہیں کہ ہم سو رہے ہیں۔اوران تمام چیزوں کو دیکھ رہے ہیں جو کہ ہم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔جیسے سر کو حرکت دینا' ہاتھوں کو پھیلانا' وغیرہ' یہ سب کچھ فریب نظر ہے اسطرح میں نے فرض کرلیا کہ ہر چیز جو میں دیکھتا ہوں میرے خوابوں سے زیادہ

حقیقت نہیں رکھتی۔لیکن یہی بات مجھے یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کوئی چیز تو ہے جو مجھے ایسا سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔اور یہی بات ان چیزوں کے اثبات کا ادارک دیتی ہے۔

جب کوئی مصور سمندر کی دیوی کی تصویر بناتا ہے تو وہ اپنے ذہن کی غیر معمولی صلاحیتوں کو اپنے تصور میں لا کر اس کو تخلیق کرتا ہے۔یہی سوچنے کی صلاحیتیں اس کے وجود کا پتہ دیتیں ہیں۔یعنی جو سوچ رکھتا ہے وہ وجود بھی رکھتا ہے اسطرح رنگوں اور اشیاء کی حقیقت کو پایا جاسکتا ہے۔اسی اصول کے تحت وہ عام چیزیں یعنی آنکھیں' ہاتھ' سر اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کا تصور ہمارے ذہن ہی میں تشکیل پاتا ہے۔اور مادی طور پر ان اشیاء کا ادراک ہوتا ہے۔اسطرح کچھ چیزیں بھی کائناتی سچائی کی حامل ہیں' ان چیزوں کی شکل' مقدار' سائز' ان کے نام اور نمبر وہ وقت جس میں وہ وجود پذیر تھیں' اور اسی نوع کی دیگر اشیاء' یعنی طبعیاتی نتائج' فلکیاتی نتائج' ادویات کے اثرات' زمین' جیومیٹری' اور دوسری اس نوع کی تمام سائنس شک کے تجزیہ سے گزر کر ہی بڑی سچائیاں بنتی ہیں۔

میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں دو اور تین پانچ ہی رہیں گے۔اس میں شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے اس سے مجھے یہ بھی ادراک ہوا کہ ایک خدا جو تمام قوتوں کا منبع ہے اور اس نے مجھے بھی تخلیق کیا ہے۔جیسا کہ میں ہوں' تو پھر میں اس بات کا بھی مکمل علم حاصل کرتا ہوں کہ زمین آسمان اور دوسری چیزیں بھی میری طرح ہی وجود پذیر ہوئیں۔جس طرح دو اور تین پانچ ہیں اس طرح مربع کے چاروں اضلاع کے بغیر مربع مکمل نہیں ہوتا۔میں کسی بھی تجزیہ سے چاروں اضلاع کے بغیر مربع نہیں بنا سکتا۔خدا نے فطرت کو جیسا بنا دیا ہے میں اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔شاید کچھ لوگ خدا کے وجود کی تکذیب کرتے ہیں اور اسکی تخلیق کردہ کائنات کی بھی تکذیب کرتے ہیں۔میں ان کی رائے کی مخالفت نہیں کرتا' لیکن میں ان سے کہوں گا کہ وہ حادثات اور قسمت وغیرہ کے چکر سے نکل کر اپنی ذات

کا ادراک کریں تو وہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ وہ غلطی پر ہیں اس لئے انہیں مزید تحقیق و تجزیہ کی ضرورت ہے۔اس بحث میں مجھے ان کے اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے۔میں خود بھی تشکک پسندی کے ذریعے سچ تک پہنچا ہوں سچ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مضبوط تجزیہ اور عقل کی ضرورت ہے۔اگر میں یہ تسلیم نہ بھی کروں کہ خدا سچائی کا منبع نہیں ہے تو اس سے خدا کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔جیسا کہ میں کہوں کہ آسمان' زمین' ہوا' رنگ' شکلیں' آوازیں وغیرہ صرف دھوکہ اور فریب ہیں تو ان چیزوں کی سچائی اور اثبات پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ سچائی سچائی ہی رہے گی اس میں میرے عقیدہ کا کوئی عمل دخل اس سچائی کو جھوٹا ثابت نہیں کر سکتا۔

☆☆☆☆☆

MEDITATION -2

آئیں اب ہم کچھ ان چیزوں پر غور کریں جنہیں ہم اجسام کہتے ہیں انکو ہم دیکھ اور چھو سکتے ہیں۔میرا مطلب عام اجسام سے نہیں ہے بلکہ کچھ مخصوص چیزیں۔مثال کے طور پر '' موم جس کو ابھی شہد کے چھتے سے لیا گیا ہے اس میں ابھی تک شہد کی مٹھاس اور ان پھولوں کی باس بسی ہوئی ہے جن پھولوں سے اس شہد کو اکٹھا کیا گیا تھا۔اسکا رنگ اور سائز بھی واضح ہے۔چھونے پر یہ تھوڑا سخت اور ٹھنڈا سا محسوس ہوتا ہے۔اس موم کو ہاتھ میں پکڑا بھی جا سکتا ہے۔اگر اس پر زور سے انگلی ماری جائے تو ٹک کی آواز بھی آتی ہے۔یہ ٹھوس شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ہاں اگر اس موم کو آگ کے قریب رکھ دیا جائے تو اسکا ذائقہ اور خوشبو تھوڑی دیر میں ختم ہو جائے گی۔اس کی شکل بھی تبدیل ہو جائے گی پھر یہ مائع بن جائے گا۔یہ تھوڑا گرم بھی ہو گا اس کو ہاتھ میں پکڑنا ناممکن ہو گا اس سے کوئی آواز بھی پیدا نہ ہو گی۔

کیا اس تبدیلی کے بعد بھی یہ موم ہی رہے گا؟

ہاں یہ موم ہی رہے گا۔

ہم اسکے متعلق کوئی شک نہیں کر سکتے کہ یہ موم نہیں ہے۔ ٹھوس اور مائع موم میں کیا فرق ہے؟ اگر چہ اسکی سختی' ذائقہ' خوشبو اور چوٹ لگانے سے آواز بھی ختم ہو گئی۔ لیکن یہ پھر بھی موم ہی ہے۔ اگر چہ موم پگھلنے کے بعد اپنی خوشبو' رنگ' شکل' سائز' اور سختی وغیرہ کھو چکا ہے لیکن اس کی بدلی ہوئی دوسری شکل بھی موم ہی ہے۔ اب "ہم موم" کو ایک جانب رکھتے ہیں اور اس میں ہونے والی تبدیلیوں پر بات کرتے ہیں کہ آخر موم میں لچک۔ پھیلاؤ۔ تحرک کیسے آتا ہے

اب موم ایسے ہو چکا ہے کہ اس کو گول' مثلث اور مربع وغیرہ کی شکل دی جا سکتی ہے۔ یہ سب کچھ تصورات کے کارخانے میں نہیں ہوتا۔ بلکہ ٹھوس حقیقت ہے۔ ٹھوس موم میں یہ تبدیلیاں کیسے واقع ہوئیں۔

یہ بات معلوم نہیں؟

یہ سب کچھ تب ہوا جب موم پگل رہا تھا' پھر پورا پگل جانے پر مکمل تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جیسے جیسے حرارت بڑھتی گئی تبدیلیاں مکمل ہوتیں گئیں اور شکل بنتی گئی۔ اب یہ سب کچھ صرف تصور میں ہونا ناممکن تھا۔ جب میں نے موم کے ٹکڑے کو دیکھا ہی نہ تھا۔ تو میں اس کے بارے میں کیسے تصور کر سکتا تھا۔ موم کے وجود کے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ میں نے موم کے ایک خاص ٹکڑے کے بارے میں بات کی ہے یہ موم کا ٹکڑا ہے جسے میں دیکھ سکتا ہوں اور چھو سکتا ہوں یہ وہی ٹکڑا میرے تصور میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چیزوں کو دیکھ کر ان کے تصور کو ذہن میں رکھا جا سکتا ہے اور ذہن وجود کے بغیر ناممکن ہے۔

سوچنے کا مطلب ہے کہ میں وجود رکھتا ہوں۔

اسکا مطلب ہے کہ ذہن یا سوچنے کا عمل میرے وجود کا حصہ ہے تو اس نتیجہ پر سوچنے کا عمل ذہن سے ہوتا ہے اور ذہن ایک جسم کا حصہ ہے۔ موم کو میں دیکھ سکتا ہوں اور چھو سکتا ہوں اس سے ثابت ہوا کہ موم وجود رکھتی ہے۔ اس طرح میرا وجود اور موم دونوں ہی سچ ہیں ۔ موم اور وجود کی خصوصیات ہی ٹھوس حالت میں ایک جیسی ہیں۔ موم کی طرح دوسری چیزوں کے خارجی اثرات بھی ایک ہی ہیں۔ ان چیزوں کو ہم دیکھ سکتے ہیں' چھو سکتے ہیں اور ان کو اپنے تصور میں محفوظ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ اشیاء ذہن سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔

☆☆☆☆☆

MEDITATION -3

اب میں اپنی آنکھیں بند کرلوں گا' اپنے کان بھی بند کرلوں گا' میں اپنے حواس کو بھی اپنے سے الگ کردوں گا میں اپنے شعور سے مادی اشیاء کے تصورات کو بھی محو کردوں گا۔ میں اپنے ذہن کو بالکل خالی کرلوں گا اور پھر میں خود اپنے آپ سے گفتگو کروں گا۔ میں اپنے ضمیر کا جائزہ لوں گا پھر میں اپنی ذات کا علم حاصل کروں گا۔ میں ایسی چیز ہوں جو کہ سوچتی ہے میں وہ ہوں جو شک کرتا ہے بہت سی چیزوں کا انکار کرتا ہوں' میں' محبت' نفرت' خواہش اور ردوقبول کی سوچ بھی رکھتا ہوں میں اس بات کا تذکرہ پہلے بھی کر چکا ہوں کہ جن چیزوں کے بارے میں سوچتا ہوں وہ بالکل الگ چیزیں ہین بلکہ اپنی ماہیت میں بھی الگ ہیں۔

یہ جو خیالات میرے شعور میں آتے ہیں ان کی سچائی کے بارے میں مجھے کوئی یقین نہیں ہے لیکن یہ خیالات میرے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح میں کہہ سکتا ہوں کہ میں یقیناً سوچ سکتا ہوں یہ انکشاف مجھ پر ہو چکا ہے کہ میں سوچنے کے بارے میں ضرور

جانتا ہوں۔جیسا ابھی میں نے جان لیا ہے کہ میں نے اپنی ذات کو پالیا ہے اور دوسری بات یہ کہ میں کچھ اور بھی جان چکا ہوں جس کا مشاہدہ میں نے ابھی نہیں کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ میں ایک ایسی چیز ہوں جو سوچ سکتی ہے اب مجھے مزید سچ تک پہنچنا ہے۔اس پہلے علم کے بارے میں شک نہیں رہا اس طرح میں نے سچ تلاش کرنے کا ایک قانون وضع کر لیا ہے۔

میرے ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات اور تصورات کا تعلق اشیاء کے ناموں سے ہے جیسے کہ ایک آدمی' آسمان' فرشتہ' یا پھر خدا' اس طرح تصورات یا ذہن میں پیدا ہونے والی سوچ دو طرح کی ہے ایک تو غیر مرئی خیالات کے بارے میں اور دوسری مشاہدے میں آنے والی چیزوں کے بارے میں۔وہم اور خیالات غلط بے حقیقت ہو سکتے ہیں لیکن ٹھوس اجسام کا مشاہدہ حقیقت پر مبنی ہے۔اشیاء کا مشاہدہ خارج کے حوالے سے ہے اور تصورات کا تعلق ذات سے ہے۔

تصورات کی طاقت کا ماخذ میرا ذہن ہے۔لیکن اگر میں شور کی آواز سنتا ہوں۔ یا سورج کو دیکھتا ہوں یا پھر گرمی محسوس کرتا ہوں ان تمام اشیاء کے وجود کا ادراک مجھے خارج سے ہوتا ہے۔یہ چیزیں میرے ذہن کی پیداوار نہیں ہیں۔ان تمام اشیاء کا ادراک مجھے اس لئے ہوتا ہے کہ میری ذات موجود ہے۔

☆☆☆☆☆
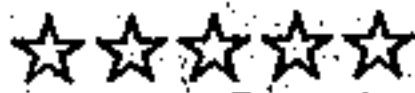
MEDITATION - 4

اس بات کا میں خود ذمہ دار ہوں کہ پچھلے دنوں میرے ذہن سے میرے حواس علیحدہ رہے اور میں نے مکمل طور پر مشاہدہ کیا کہ یقینی طور پر مادی اشیاء وجود رکھتی ہیں۔اس کے علاوہ ہم نے انسانی ذہن کے بارے میں بہت زیادہ جان لیا اور خدا کے بارے میں بھی۔

اب میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ بغیر کسی مشکل کے خیالی اور مادی کا فرق معلوم کر سکوں۔ اس سے میں یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ انسان سوچنے والی چیز ہے۔ اور میرا وجود اس بات کی گو اہی دیتا ہے کہ مجھے بنانے والا خدا ہی ہے۔ مجھے یہ بھی ادراک ہوا کہ سائنس اور عقل کے خزانوں کا وہی مالک ہے بلکہ کائنات کی تمام اشیاء کا اسے علم ہے۔

کینہ اور کمزوری جیسی چیزیں خدا میں نہیں پائی جاتیں۔ میں نے اپنے تجربے سے پایا ہے کہ مجھے مشاہدے کا علم اسی خدا کی ذات سے حاصل ہوا ہے۔

میں غلطی کا مرتکب کب ہوتا ہوں؟ جب میں اپنے ارادے پر قابو نہیں رکھ پاتا یعنی کہ میرے ارادے بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے میں ان کو سمجھ نہیں سکتا اور یہ چیز ایک دوسرے کے متضاد ہو جاتی ہے۔ اور میں سچ جھوٹ میں تمیز نہیں کر سکتا اور غلطی کا مرتکب ہو جاتا ہوں۔

مثال کے طور پر میں ایک وقت میں بہت سے خیالات کو قابو نہ رکھ سکنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے گڈ مڈ کر دیتا ہوں لیکن جب میں کسی ایک چیز پر توجہ مرکوز کرتا ہوں تو اس کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہوں لیکن خیالات کی بھرمار کی وجہ سے کسی خاص نتیجہ نہیں پر پہنچ سکتا۔

☆☆☆☆☆

MEDITATION -5

میں جو دلائل اور ثبوت اپنی گفتگو کے بارے میں دیتا ہوں اس کے بارے میں میرے سوچنے کی طاقت میری رہنمائی کرتی ہے۔ وہ چیزیں جن کے بارے میں اس طریق سے سوچتا ہوں وہ بہت واضح ہو جاتیں ہیں۔ لیکن کچھ چیزوں کے بارے میں بہت ہی غور وفکر اور تفتیش کے بعد جو نتائج اخذ کیے جاتے ہیں بعد میں ان کی سچائی بھی پرکھی جا سکتی ہے۔

مثال کے طور پر تین برابر اضلاع کی مثلث کے ایک زاویہ کے بارے میں معلوم

کرلیا جائے تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اس کے دوسرے دونوں زاویہ بھی برابر ہوں گے اسطرح معلوم سچ کے ایک حصے سے دوسرے حصے دریافت کرسکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

MEDITATION - 6

اب اس بات کی تحقیق باقی ہے کہ مادی اشیاء کیسے وجود رکھتی ہیں۔

اس سوال کے جواب میں عرض ہے۔ میں ایسی چیزوں کے بارے میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ یہ وجود رکھتی ہیں۔ جیسے کہ جیومیٹری کی اشکال ترتیب دی جاتی ہیں اوران اشکال کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ میں ان کے بارے میں صاف اور واضح طور پر سوچ سکتا ہوں۔ اس بات میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ خدا تمام اشیاء کو بنانے پر قادر ہے۔ میں نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اس سے کوئی بھی بات ناممکن نہیں ہے۔ میں جب ایسی مادی چیزوں پر توجہ مرکوز کرتا ہوں تو میں ان کو موجود پاتا ہوں۔

میری شعوری قوت کا علم اس کی موجودگی کا یقین دلاتا ہے۔ اسطرح ہم تصور اور مادی اشیاء میں فرق محسوس کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب میں ایک مثلث کے بارے میں تصور کرتا ہوں میں صرف یہ نہیں سوچتا کہ یہ ایک تین لکیروں پر مشتمل شکل ہے۔ بلکہ اسوقت میرے ذہن میں مثلث کی مکمل شکل ہوتی ہے۔ اگر میں "CHILIOGON" کے بارے میں سوچنا چاہوں تو میں دراصل خیال کروں گا کہ یہ ایک ایسی شکل ہے جو ہزاروں اضلاع رکھتی ہے جبکہ ایک مثلث صرف تین اضلاع رکھتی ہے۔

اسطرح میں "CHILIOGON" کی خاص شکل ذہن میں رکھوں گا نہ کہ اس کے "اضلاع کیوں کہ اس کی شکل میرے ذہن کی آنکھوں کے سامنے فوراً آ جائے گی۔ مادی اشیاء کے بارے میں ہماری عادت بن چکی ہوتی ہے۔

اس چیز کا نام لیتے ہی اس کی شکل ہمارے ذہن میں آجاتی ہے۔اسطرح ہم ہر چیز کی الگ پہچان کر لیتے ہیں

اگر میں مخمس کے بارے میں سوچو گا تو اسکی پانچوں اطراف میرے ذہن میں آجائیں گی۔جو کہ مثلث وغیرہ سے مختلف ہوگی۔اسکے بارے میں مجھے زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ ہوگی۔اس سے ثابت ہوا کہ تصورات اور مادی اشیاء کے درمیان خاص فرق ہے۔

میں اپنے ذہن کو ایک آلہ جانتا ہوں۔جو کہ علم کو محفوظ کرتا یہ اس لیے ہے کہ میں وجود رکھتا ہوں میں سوچتا ہوں۔میرے ذہن میں بہت سے خیالات اور تصورات پیدا ہوتے ہیں۔میرے اندر یہ صلاحیت اس لئے ہے کہ میں ایک سوچنے والی چیز ہوں۔میرے ذہن میں جو خیالات آتے ہیں میں ان پر اپنی مرضی کے خلاف عمل نہیں کر سکتا یعنی میرے ذہن کے علاوہ ایک جسم بھی ہے جو کہ تصورات کو ذہن میں لاتا ہے۔ذہن ہمارے جسم پر حکومت کرتا ہے۔

نیند کی حالت میں جو ہمیں مبالغہ آمیز خیالات آتے ہیں وہ غیر حقیقی ہوتے ہیں۔لیکن جاگتی حالت میں ہمارے ساتھ جو واقعات پیش آتے ہیں وہ حقیقی ہوتے ہیں۔اگر میں ہوش و حواس سے جاگتی آنکھوں سے کسی فرد کو دیکھوں تو اس حقیقت کو جھٹلانا ناممکن ہوگا۔ ہر انسان دوسرے انسان سے الگ شکل رکھتا ہے۔جو کہ حقیقت ہے۔

☆☆☆☆☆

"PASCAL"

پاسکل

بلیز پاسکل 1623ء کو پیدا ہوا اور 1662ء میں اس نے انتقال کیا۔ اس نے یورپ میں دور وسطیٰ کا ذہین ترین اور فاضل ترین شخص قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑا ریاضی دان اور مفکر تھا۔ وہ دراصل بنیادی طور پر فلسفی نہ تھا کیونکہ اس نے بنیادی طور پر کوئی نظریہ قائم نہیں کیا اور نہ ہی کوئی معقول حقیقی نظام متعارف کروایا وہ تو انسانی کمزوریوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ اور عقیدے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ وہ اپنی تصنیف "Pensees" میں زبان کی غیر مساوی طاقت اور نفسیاتی بصیرت سے انسان کی ذلت، غیر یقینی اور بے قدری کو بیان کرتا ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ، انسان اپنی طاقت اور سوچ کی وجہ سے ہی ادھورا اور نامکمل ہے۔ انسان کا ادھورا پن ہی انسان کی عظمت ہے۔

پاسکل کی تحریر میں ایک شان و شوکت ہے۔ وہ مذہبی غور فکر میں ریاضی کے مطالعہ کو ضروری خیال کرتا ہے۔ اس نے ریاضی کے حوالے سے شاندار ایجادات کیں۔ اس نے ایک کلکولیٹر مشین ایجاد کی اور نظریہ امکان پر مقالہ لکھا۔

پاسکل کا کہنا ہے کہ کوئی بھی عقل کی طاقت کو سمجھنے کا اہل نہیں ہے۔ وہ انسانی روح کے وقار کو کائنات کی بے کراں وسعت سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اس کی کتاب "PENSEES" باب XXIII سے اقتباس یوں ہے۔ انسان اپنی فطرت میں سرکنڈے کی طرح کمزور ہے لیکن یہ ایک سوچنے والی چیز ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام کائناتی قوتیں مل کر اس کو مار دیں۔ بلکہ دھویں کا ایک مرغولہ یا پانی کا ایک قطرہ ہی اس کی

موت کے لئے کافی ہے۔

لیکن اگر کائناتی قوتیں اس کو تباہ کرنا چاہیں تو انسان ان سے بچ کر زندہ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ انسان کائناتی قوتوں پر قابو رکھنا بھی جانتا ہے۔ لیکن کائنات تو کوئی اس طرح کا علم نہیں رکھتی۔

انسان کی عظمت اور وقار اس کے سوچنے کی قوت پر مشتمل ہے۔

ہمیں اپنی سوچ پر اعتماد کرنا چاہیے۔ کیونکہ وقت اور خلاء ایسی چیزیں ہیں جن کو ہم کسی طور بھی پر نہیں کر سکتے۔ آئیں ہم اپنی سوچ پر محنت کر کے اس کو خوبصورت بنائیں کیونکہ یہ اخلاق کی بنیاد ہے۔

دوسرا اقتباس باب XXIII سے ''سوچنے والی مخلوق" خلاء میں میں اپنی عظمت و بڑائی کو تلاش نہیں کر سکتا کیونکہ تمام عزت و وقار میرے سوچنے کی قوت کی وجہ سے ہے۔ خلاء میں مجھے کسی ملکیت کی چاہت نہیں ہے۔ لیکن میں اپنی سوچ کے ذریعے کائنات کو مسخر کر سکتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

SPINOZA

سپائی نوزا

میروچ سپائی نوزا ایمسڈریم کے مقام پر 1632ء میں ایک خوشحال کاروباری یہودی خاندان میں پیدا ہوا' یہ خاندان سولہویں صدی عیسوی میں پرتگال سے ہالینڈ آ کر آباد ہوا تھا۔ سپائی نوزا نے ابتدائی تعلیم ایک یہودی سکول سے حاصل کی اپنا بچپن ایمسٹرڈیم اور نوجوانی اہم ترین ایمسڈریم یہودی سماج میں گزاری انہی دنوں اسے ایک آزاد خیال مفکروں کے حلقے کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔ جو کہ فسلفے میں گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ اس حلقے کے مفکرین نے اس کی فلسفے میں بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی۔

1656ء میں وہ ایک آزاد خیال مفکر مشہور ہوا تو یہودی برادری سے اس کو خارج کر دیا گیا۔ یہودی اسے ملحد کہتے تھے اور کوئی بھی یہودی اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا نہ چاہتا تھا۔ یہودی برادری سے اخراج کے بعد وہ ہالینڈ کے کئی شہروں میں اکیلا ہی گھومتا رہا۔ اس عرصہ میں اس نے کچھ دوستوں سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ رکھا کیونکہ یہ دوست اس کے فلسفیانہ کام کو خوب جانتے تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا یہ کام اس کی زندگی میں شائع نہیں ہو سکتا۔ سپائی نوزا اپنی روزی عدسوں کی رگڑائی اور چمکائی سے کماتا تھا۔ اس نے "اولڈن برگ" کو خط لکھا جو کہ "رائیل سوسائٹی لندن" کا سکیرٹری تھا اس طرح سپائی نوزا کے کام سے ہائیگنز HUYGENS بوائیل اور دوسرے فلسفی واقف ہوئے۔ تاہم سپائی نوازنے پھر الگ تھلگ زندگی بسر کی۔ اس کا آزادانہ سیاسی رویہ نے بھی بہت شہرت پائی۔

☆☆☆☆☆

1665ء میں وہ ڈی وٹ کی جانب سے ایک خفیہ مشن پر فرانس بھی گیا وہ اپنی کتاب TRACTATUS THEDLOGICO-POLITICUS میں ایذارسانی کرنے والے گرجوں کا انتہائی دشمن نظر آتا ہے۔لیکن ان کو بھی وہ اپنی دشمنی سے خارج نہیں کرتا کیونکہ ان گرجوں نے "ولیم آف اورنج" کی قیادت کو قبول کر لیا تھا۔وہ ھابس کی طرح چاہتا تھا کہ ریاست سیکولر طاقت حاصل کر کے اپنے مخالفوں کے خلاف متحد ہو جائے۔یہ ریاست کے مخالف ایذارسانی کرنے والے عیسائی گرجے تھے۔وہ ریاست کو مکمل طور پر سیکولر دیکھنے کا متمنی تھا۔جبکہ سیکولرازم مذہبی معاملات کے عقیدے سے مختلف تھا۔سپائی نوزا پہلا عظیم فلسفی تھا۔جس نے جدید انداز سے رواداری کی وکالت کی ہے۔اس نے "الیکٹور پلائن" کی "ھائیڈل برگ یونیورسٹی" میں فلسفہ پڑھانے کی آفر کو ٹھکرا دیا کیونکہ وہ اپنی آزادی کھونا نہیں چاہتا تھا۔اس کا کہنا تھا کہ وہ ایک فلسفی کے طور پر آزاد رہنا چاہتا ہے۔

☆☆☆☆☆

لبنز LEIBNIZ اس سے ملاقات کرنے آیا اس نے سپائی نوزا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تم خطرناک غلطیاں کر رہے ہو۔سپائی نوزا خود بھی اپنے آپ کو خطرناک قرار دیتا تھا۔کیونکہ وہ ایک ملحد اور آزاد خیال مفکر کے طور پر مشہور ہو چکا تھا۔

1677ء میں وہ کئی مہینے سینے کی بیماری میں مبتلا رہ کر انتقال کر لیا۔اس کی زندگی میں جو کام اس کے نام سے شائع ہوا تھا اس کا نام تھا۔ "اصول فلسفہ ڈیکارٹ" اس کے ساتھ ایک رسالہ بھی منسلک تھا طبیعاتی مسائل یہ کتاب ڈیکارٹ کے فلسفہ کی تفسیر تھی جو کہ جیومیٹری کی ترتیب سے بیان کیا گیا تھا۔اس طرح اس کتاب میں سپائی نوزا کے اپنے خیالات بہت کم تھے۔

1670 Theological- Politcal Treatise ء میں مصنف کے نام کے بغیر شائع ہوا۔ اس کتاب کے ناشر کا نام بھی فرضی ہی تھا۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر بہت احتجاج ہوا کیونکہ اس کتاب میں مذھبی عقیدے کی دھجیاں اڑادی گئیں تھیں۔ سپائی نوزا ایک ایسا لکھنے والا تھا جو کہ بہت آزاد خیال مشہور تھا۔

سپائی نوزا کی شاہکار تصنیف THE ETHICS ہے۔ اس کا یہ شاہکار کام اس کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا۔ اس کی موت کے بعد اس کے دوستوں نے اس کے تمام کام کو ایک ہی جلد میں شائع کیا۔ اس میں اس کے وہ خطوط بھی شامل تھے جو کہ اس نے علمی موضوعات پر دوستوں کو لکھے تھے۔

THE ETHICS کے شائع ہونے پر اس کتاب کی بہت زیادہ مخالفت ہوئی اس کے مصنف کو ملحدٗ کافر اور اخلاقیات کا دشمن قرار دیا گیا۔ پھر اس کتاب کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اٹھارویں صدی کے خاتمہ تک اس کتاب کو بالکل فراموش کر دیا گیا تھا۔ تب " گوئٹے "اور پھر " کولرج" اور دوسرے لکھنے والوں نے "سپائی نوزا" کو دوبارہ دریافت کیا۔ انیسویں صدی میں سپائی نوزا کو خوب سراہا گیا اگر چہ اس کے مختلف نظریات کو پورے طور پر نہیں سمجھا گیا۔ کچھ کا کہنا ہے وہ مادیت پرست ہے کچھ اسے معقولیت پرست کہتے ہیں کچھ اسے وحدت الوجود فلسفے کا بانی کہتے ہیں۔ وہ بائبل کا بڑا انقاد ہے اور آزادی خیال اور رواداری کا حامی تھا۔ اس کے کچھ بنیادی نظریات یہودی مذھبی فلسفے کی بنیاد پر ہیں۔

☆☆☆☆☆

سپائی نوزا کے فلسفے کی کچھ عالموں نے تعبیر کی ہے کہ یہ ڈیکارٹ کے خیالات کی بازگشت ہے۔ ایسی ہی کچھ نامکمل اور جزوی تشریحات بہت سے علماء نے کی ہیں یہ بالکل حقیقت ہے کہ سپائی نوزا اخلاقی اور یہودی دانشورانہ روایات سے شدید طور پر متاثر تھا۔ اور

یہ بھی سچ ہے کہ اس کے خیالات میں ڈیکارٹ کے فلسفیانہ نتائج پڑھنے سے تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی تھی لیکن وہ ڈیکارٹ جیسا نہ تھا۔ وہ معلم اخلاقیات تھا اس کی اخلاقیات کا بنیادی عقیدہ انسانی مسائل کا سچا حل تھا اس میں وہ معاشرے کی فطرت کو بھی شامل کرتا ہے وہ مابعد طبعیاتی حوالے سے انسان کو بھی فطرت کا حصہ بیان کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مندرجہ ذیل اقتباسات جو کہ اس کتاب (Ethics) کے تیسرے (III) اور چوتھے (IV) اور پانچویں (V) حصے سے لئے گئے ہیں۔ تیسرے حصے میں اخلاقی نفسیات کے بارے میں کچھ بھی نہیں ہے جب کہ یہ باب اسی عنوان سے ہے۔ چوتھے اور پانچویں باب میں ایک آزاد انسان کی تشریح کی گئی ہے۔

مندرجہ ذیل اقتباسات میں سپائی نوزا مابعد طبعیاتی نظام کو مختصر طور پر بیان کرتا ہے۔ اس مابعد طبعیاتی نظام کو "Ethics" میں جومیٹریکلی طریق سے بیان کیا گیا ہے۔ اور بعض اوقات وہ درشت اور بے لاگ رویہ اختیار کرتا ہے۔ اور کبھی وہ استخراجی طریق استعمال کرتا ہے اور کوئی بحث وغیرہ نہیں کرتا۔ وہ استدلال کے لئے سابقہ بیان کردہ مسائل کے حوالے دیتا ہے۔

سپائی نوزا بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ صرف ایک ہی بنیادی جوہر ہے جس کو خدا یا فطرت کہا جا سکتا ہے یہ اپنے وجود کو خود ثابت کرتا ہے۔ اس کائنات کی باقی تمام چیزیں اسی جوہر کی مرہون منت ہیں۔ جیسے ایک تخلیق کار اپنی تخلیق کردہ چیزوں میں کوئی فرق نہیں رکھتا۔ اسی طرح خدا یا فطرت پورے طور پر خود ہی تخلیق ہوئے ہیں اس لئے خدا اور فطرت ایک ہی جوہر کا نام ہے۔ اس کے علاوہ ذہن اور مادہ بھی اسی جوہر کا حصہ ہیں۔ جیسا کہ ڈیکارٹ فرض کرتا ہے کہ خیال اور اشیاء کا نظام اس کائنات میں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو

ہیں۔تمام اشیاء جس میں انسان بھی شامل ہے یہ سب کچھ اس فطرت کے نظام کا جزو ہیں جب ہم اس فطری اسباب کے نظام کے اعلیٰ ترین سچ دریافت کر لیتے ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس کائنات میں کوئی بھی چیز الگ نہیں ہے بلکہ ایک ہی جوہر کا حصہ ہیں۔

سپائی نوزا اپنے موقف میں کوئی لچک پیدا نہیں کرتا' ہر شخص کے انتخاب' رویہ یا جذبات کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ چیزیں اسباب پر لازمی اور لامحدود اثرات پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

دوسری اشیاء کی طرح انسان بھی اس فطرت کا حصہ ہے (دراصل سپائی نوزا کا یہ فلسفہ وحدت الوجود ہے) انسان کے اعمال اور اس کے ردعمل کا مطالعہ کر کے اس میں سائنسی طریق سے اصلاح کی جا سکتی ہے اگر پھر بھی اس میں کوئی بہتری نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ انسانی جذبات کے اسباب اور اعمال کو پورے طور پر سمجھا نہیں گیا۔

سپائی نوزا "Ethics" میں اپنی بحث کا رخ نظریہ علت' اصلیت اور اس مفروضہ کی طرف موڑتا ہے کہ ہر چیز کوئی معقول سبب ضرور رکھتی ہے۔ہم سبب کی ترتیب سے آخر اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ تمام اسباب کی اصلیت خدا یا فطرت ہے یعنی تمام کائنات ایک کل ہے۔اگر اس مرکزی خیال کو فروغ دیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر چیز اس فطرت میں گم ہے یا فطرت ہر چیز میں گم ہے۔

اگر کسی نے سپائی نوزا کی Ethics کا بارہا مطالعہ کیا ہو اور پھر بھی اس کے سامنے کچھ غیر حل شدہ مسائل ہوں گے جن کی تشریح ابھی باقی ہے۔

دو لامحدود صفات' خیال اور موجودیت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

خدا یا فطرت جیسی صفات ہم سے پوشیدہ کیوں ہیں؟

ہر چیز فطرت میں کیسے متحرک ہے؟

وجود اور فطرت دو الگ الگ چیزیں ہیں پھر کائنات میں فطرت کے کیا خدوخال ہیں اور نظریہ فطرت کیا ہے؟

فطری علم کے تجربہ کے لئے کونسی جگہ مخصوص ہے؟

بہت سے مزید سوالات بھی ہیں جو کہ سپائی نوزا کے قاری کے ذہن میں اٹھتے ہیں۔

سپائی نوزا کے نظام فلسفہ کی سچائی کا خلاصہ بہت سادہ ہے۔ اس میں مکمل علم کی بصیرت فطری ترتیب سے ضروری ہے۔ لامحدودیت اور ذات کی تخلیق جس سے فطرت کو صحیح ترتیب سے سمجھ کر اسی فطرت کا حصہ بن جانے سے انسان آزاد ہو جاتا ہے۔

طبعیات، دوا اور نفسیات مفید علم ہیں، تمام مسائل کا حل سبب معلوم ہونے پر ہو سکتا ہے جو کہ انسان کے لئے سچی خوشی کا باعث ہے۔

سپائی نوزا اپنی کتاب Tractatus Thrologico Politicus میں وہ اپنے اصول مابعد طعبیات کو استعمال کرتے ہوئے مذہبی عقیدے کی تشریح کرتا ہے اور مسائل سیاسیات بھی اسی طریق سے حل کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ آزاد انسان کیسا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اصل فلسفی کون ہوتا ہے۔

حکومتی گرجا گھروں میں شہریوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ وہ تحمل اور آزادی کی وکالت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ہر شہری کے لئے انفرادی طور پر ضروری چیزیں ہیں۔

سپائی نوزا کا اصل تعلق اخلاقی فلسفہ سے ہے لیکن وہ اس میں سے مابعد طبعیاتی مسائل کو نکال دیتا ہے۔

مندرجہ ذیل اقتباسات اس کی کتاب Ethics کے باب نمبر 1 اور باب نمبر 2 سے

لئے گئے ہیں۔اس کا کہنا ہے کہ اگر مابعد طبعیاتی فلسفے کو انسان کی زندگی سے نکال لیا جائے تو انسان کو آزادی حاصل ہو جائے گی۔سپائی نوزا کے یہ خیالات اس کی ابتدائی تحریروں میں چند جگہ ملتے ہیں۔

سپائی نوزا کا فلسفہ کئی لحاظ سے **Leibniz** کے فلسفہ سے متضاد ہے۔

دونوں فلاسفر اصلیت یا جوہر کے حوالے سے بات کرتے ہیں جبکہ **Leibniz** بے شمار جواہر کی بات کرتا ہے۔اس طرح سپائی نوزا صرف ایک جوہر مطلق پر بحث کرتا ہے۔**Leibniz** کا خدا لاتعداد جواہر کا خالق ہے۔جبکہ سپائی نوزا کا خدا صرف ایک جوہر مطلق ہے۔سپائی نوزا کا کہنا ہے کہ انسان جب علم کی اعلیٰ منزل تک ایک خاص ترتیب سے پہنچ جاتا ہے تو وہ اپنے آپ سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔اس طرح اس کے اندر پیدا ہونے والے جذبات اور اعمال تمام کے تمام اعلیٰ سچائی کے حاصل ہوں گے۔

تمام اشیاء میں سے صرف کچھ خاص اشیاء کو جذباتی دلچسپی سے خاص الگ کر دینا سپائی نوزا کے نزدیک ایک غلط فہمی سے زیادہ کچھ نہیں اس طرح جوہر واحد نہیں سمجھا جا سکتا۔

خدا تو لا محدود ہے اور انسان اس لامحدود کے جوہر کا ایک معمولی ساحصہ۔

ETHICS کی کتاب میں سپائی نوزا اس دنیا کا خاکہ پیش کرتا ہے۔وہ اس قیاس کے ساتھ توضیح کرتا ہے کہ جوہر اصل اور خدا جو کہ خود بخود وجود میں آئے اس کا بھی کوئی سبب ضرور ہے۔خدا لامحدود وقت سے بھی پہلے تھا یہی لامحدودیت اس کا اصل وصف ہے۔جوہر اصل اس سے بھی پہلے تھا جب کچھ بھی نہ تھا۔

دراصل یہ جواب ہے **What is it?** کا۔

وہ اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ دیگر مخلوق اسی لامحدودیت کے جز ہیں۔ان اجزاء میں اسی جوہر کا عکس ہے اور اسی جوہر کی وجہ سے ان اجزاء کی ہستی

ہے۔جب ہم کہتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ تو ہم اپنی ہستی کو محسوس کر سکتے ہیں۔

اب ہم خدا، جوہر اور سبب کو شناخت کریں گے۔

جوہر اور سبب کو مسلمہ وضاحتوں سے شناخت کیا جا سکتا ہے کہ ہر چیز میں جوہر موجود ہے اور یہی اس چیز کا سبب ہے لامحدودیت کا جوہر یہی خدا ہے۔تمام اشیاء کے جوہر لامحدود ہیں اور لامحدودیت خدا کا وجود ہے جو جوہر کے سبب ہی موجودیت ہے۔تاہم کسی وجود کے لئے جوہر ناگزیر ہے اور یہی لامحدودیت کا وصف ہے۔

سپائی نوزا کا کہنا ہے کہ خدا بھی صفات رکھتا ہے۔خدا کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی لامحدود ہیں۔انسانی ذہن بھی اسی کی محدود صفت کا حامل ہے۔اس لیے تمام اشیاء میں پائی جانی والی صفات اسی لامحدود صفات کا حصہ ہیں۔خدا کی ذات ہی وہ ذات ہے جس سے تمام جوہر نکلتے ہیں اور اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔

یہاں سپائی نوزا ڈیکارٹ سے اختلافات کرتا ہے کیونکہ ڈیکارٹ فطرت اور جوہر کو الگ الگ قرار دیتا ہے جبکہ سپائی نوزا فطرت اور جوہر کو ایک ہی چیز قرار دیتا ہے۔خدایا فطرت خود بخود خلق ہوئی ہیں۔

☆☆☆☆☆

آپ۔خود۔ذات نفس۔ITSELF

اس بحث میں اہم یہ ہے کہ کائنات میں ایک خاص ترتیب ہے اور تمام کائینات میں ایک ہی جوہر ہے جو ہر لامحدود ہے اور تمام اجزا ایک کل کے جز ہیں۔

PART-1 CONCERING GOD, DEFINATIONS.

1۔ میں سمجھتا ہوں کسی چیز کے خود بخود خلق ہونے کی بھی کوئی وجہ ہے۔اس میں موجود جوہر ہی اس کی موجودگی کا سبب ہے۔اس کی فطرت میں چھپا ہوا جوہر ہی اس کی ہستی کا

ذمہ دار ہے۔

2۔ جس کو ہم لامحدود کہتے ہیں یہ اسی طرح کی دوسری لامحدودیت سے محدود ہو سکتی ہے ۔اگر ایک جسم کو لامحدود کہیں گے۔تو اس کا مطلب ہے کہ دوسری لامحدودیت جو کہ اس سے بڑی ہو سکتی ہے وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہے جیسا کہ ایک محدود خیال دوسرے خیال (سوچ) سے محدود ہو سکتا ہے۔لیکن ایک جسم محدود نہیں ہوتا۔ایک تصور سے یا ایک خیال (سوچ) سے جسم محدود نہیں ہوتا۔

3۔ میں سمجھتا ہوں کہ جوہر ہی نفس ذات ہے اور نفس ذات ہی اصلیت ہے۔

4۔ اصلیت کا جوہر فراست ہے اور یہی وصف کہلاتا ہے۔

5۔ ہر چیز میں خدا کی ذات موجود ہے۔

6۔ میں سمجھتا ہوں خدا لامحدود ہے اس کی اصلیت لامحدود اوصاف پر مشتمل ہے اور یہی لامحدود اوصاف داخلی اظہار کا جوہر ہے۔

7۔ ہمارے اذہان وافکار جن پر ہم مشتمل ہوتے ہیں اس حد تک کہ عملی فکر کو واضع اور کامل طور پر انجام دیتے ہیں اس ابدی نظام فکر کا جزو ہیں۔

☆☆☆☆☆

AXIOMS

مسلمات

1۔ ہر ایک ایسی شے ہے جو کہ دوسری نہیں ہے۔

2۔ ذہن میں کوئی ایسی شے نہیں ہوتی جو کسی جسمانی یا مادی شے کا تصور نہ ہو نہ ہی مادی عالم میں کوئی ایسی شے ہے جس کے مطابق ذہن میں کوئی تصور نہ ہو۔

3۔ علم کے اثر کا انحصار علم کے سبب پر ہے جو کہ علم میں موجودہ ہے۔

4۔ دو چیزوں میں اگر کوئی قدر مشترک نہ ہو تو اس جیسی دوسری چیزوں سے بھی موزانہ کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

5۔ خیال میں سچائی سے متفق ہونا ضروری ہے نہ کہ خیال سے۔

6۔ اصل جوہر جسم میں رہتا ہے لیکن خود جسم نہیں رکھتا۔

☆☆☆☆☆

PROPOSITIONS

I۔ اچھائی کی فطرت میں جوہر مقدم ہے۔

II۔ دو جوہر جو کہ ایک دوسرے سے مختلف اوصاف رکھتے ہوں وہ ایک دوسرے کے متوازن نہیں ہوسکتے۔

ثبوت: Proof

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ہر فرد دوسرے سے مختلف سوچ رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کے مزاج ایک دوسرے سے ملتے نہیں۔

III۔ اگر دو چیزوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے تو ایک چیز دوسرے میں سبب کا باعث نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

ثبوت Proof

اگر ان چیزوں میں کوئی قدر مشترک نہیں تو وہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے حوالے سے نہیں پہچانی جائیں گی بلکہ ان کی پہچان کے اپنے اپنے حوالے ہوں گے۔

XIX۔ خدا ہر چیز کے اندر اپنے وصفوں کے لحاظ سے موجود ہے۔

XXV۔ خدا چیزوں کو وجود دینے کا ذمہ دار نہیں لیکن چیزوں میں اصل جوہر اسی کا ہی ہے۔

XXX۔ فراست محدود یا لامحدود دراصل یہ خدا کے وصف کا حصہ ہے خدا تو ہے ہی اوصاف کا مجموعہ۔

XXXI۔ فراست ارادہ، خواہش، محبت وغیرہ خود کچھ بھی نہیں لیکن یہ اس کی مثبت فطرت کا جزو ہیں۔

XXXII۔ اشیاء کو خدا پیدا نہیں کرتا یہ تو ایک خاص ترتیب سے پیدا ہوئیں یہ ترتیب ان میں موجود ہوتی ہے۔

XXXIV۔ خدا کی قوت اور اس کا جوہر ایک ہی چیز ہیں۔

XXXV۔ ہماری سوچ اور خیال بھی خدا کی قوت سے مستعار ہے۔

XXXVI۔ فطرت کے بغیر موجودیت کچھ بھی نہیں۔

ضمیمہ۔ Appendix

مندرجہ بالا Propositions میں فطرت اور خدائی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔

خدا جو کہ موجود ہے۔

وہ واحد ہے۔

وہ صرف اپنی فطرت کے مطابق اٹل طور پر مصروف ہے۔

وہ تمام علتوں سے مبراء ہے۔

تمام کائنات کی اشیاء اسی کے وجود کا حصہ ہیں۔

خدا کی کوئی بھی آزاد یا اچھی مرضی نہیں ہے۔ وہ تو ایک فطرت ہے جو ہر چیز میں جاری

ہے لیکن جو سوال کرتے ہیں کہ انسانوں کو خدا تخلیق کیوں نہیں کرتا جب کہ وہ ان پر قادر ہے؟ میں اس کا کوئی جواب نہیں دیتا' میں تو اتنا کہتا ہوں کہ مادہ تو کوئی خواہش نہیں رکھتا کہ اسے تخلیق کیا جائے اور اشیاء بھی کوئی ارادہ نہیں رکھتیں کہ انہیں اعلیٰ یا گھٹیا معیار پر تخلیق کیا جائے۔

یہ تو ایک فطری عمل ہے۔

جو کہ اشیاء کو بناتا بگاڑتا ہے۔

اور فطرت کے قوانین اٹل ہیں ان میں کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ یہ تمام اشیاء تو خدائے واحد کی صفات میں اور کچھ نہیں۔

In Book-II of the Ethics Spinoza Considers the Nature

سپائی نوزاانسانی ذہن کو خیال "An Idea" کا نام دیتا ہے۔

یہ تصور اس نے ڈیکارٹ سے وراثت لیا تھا اور بعد میں اسے خود اپنا لیا اس کی تشریح وہ اپنی کتاب۔

ا میں کر چکا ہے کہ IDEA میں سچائی ہی اصل جوہر ہے۔

وہ انسانی ذہن کے فروغ کے لئے اعلیٰ ترین علم کو ضروری قرار دیتا ہے۔ ہر کوئی اپنے ذہن کو جلا دینے کے لئے اعلیٰ ترین علم کے لئے کوشاں ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ کسی سطح پر بھی علم مکمل نہیں ہوتا۔

"آئیڈیا علم" کا مطلب ہے اپنی ذات کا عرفان حاصل کرنا اور اپنی ذات اور جوہر اصل کے درمیان تعلق کو تلاش کرنا ہے۔

علم کی سچائی یہ ہے کہ وہ خدا کی پہچان کراتا ہے اور اس کی ذات کی شہادت دیتا ہے۔

اس سے قدرے کم درمزید علم کے درجات ہے۔ایک ہے عقل یا استنباط اور اس کے بعد مادے کے حقائق اور تصورات کے متعلق عام رائے ہے۔

انسانی ذہن خود ایک تصور سے زیادہ نہیں اور اس کا موضوع انسانی جسم ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خیال اور مادہ دونوں ہی جوہر اصل کے اوصاف ہیں۔

سپائی نوزا کا کہنا ہے کہ جب جوہر اصل سے معکوس پر فکر انسانی ذہن کے دائرے میں آتا ہے تو انسانی ذہن اور جسم میں لازمی کچھ تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

یہ تبدیلی جسم کی نسبت تخیلات کو زیادہ متاثر کرتی ہے۔

ذہن پر جب کوئی اچھا خیال وارد ہوتا ہے تو وہ جسم سے معکوس ہو کر عمل میں آتا ہے۔

ہمارا علم انفرادی طور پر ہمیں خارجی اثرات سے ہمارے جسم کے حوالے سے ہی مطلع کرتا ہے۔

اس تھیوری آف نالج سے سپائی نوزا ہمیں مابعد طبعیاتی عقیدے کے متوازن نظام سے متعارف کرواتا ہے جو کہ کبھی نہ ختم ہونے والے اسباب اور نتائج پر مشتمل ہے۔

اصل حقیقت یا خدا کی فطرت ایسی ہے جو کہ کسی نقطہ پر اختتام پذیر نہیں ہوتی۔

اس لئے درجوں کی ترتیب سے ہمیں درجہ دوم اور سوم کا علم بھی حاصل کرنا چاہیئے تاکہ ہم اپنی ذات کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔

ہم سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کے اہل کیسے ہوں گے؟

ہم ایک کائناتی سچ کا موازنہ عام سچ سے کریں گے ان میں جو قدر مشترک ہوگی وہی سچائی کا معیار ہوگا۔

ہر چیز میں کوئی سبب پوشیدہ ہے۔ہم اس سبب کو تلاش کرلیں تو حقیقت تک پہنچ جائیں گے۔

سپائی نوزا کے فلسفہ سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اس کی کتاب Ethics کا پس منظر مابعد طبعیات کا ہے۔

وہ ذہن کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تجربی علم کے بعد تمام خارجی اشیاء اس سے مثبت طور پر متاثر ہوتی ہیں۔

Ethics کی کتاب میں اس نے Pure thought کو To the life of feeling کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

اس نے جذبات کا ایک نظریہ دیا جو کہ ان جذبات کو مثبت خیال سے معکوس کر کے جسم پر اثر انداز ہو کر خارجی عوامل پر ردعمل کرتا ہے۔

علم کے اعلیٰ ترین درجے پر جہاں کہ ذہن آہستہ روی سے داخلی حقائق تک پہنچتا ہے۔ تو تمام کائنات ایک کل اور ذہن بھی اس کل کا حصہ بن جاتا ہے تو پھر ذہن ہر قسم کے اثر اور اردگرد کی اشیاء سے آزاد ہو جاتا ہے۔

سپائی نوزا آزادانہ مرضی سے انکاری ہے لیکن وہ آزادی ذہن سے انکاری نہیں ہے۔

خوشی کا حقیقی تصور داخلی حقیقت بن جاتا ہے۔

یہی جذبہ خدا کی محبت اور فطرت میں موجزن ہے۔

سپائی نوزا کی Ethics پر "ہیوم" اور "کانٹ" نے تنقید اور بحث کی ہے۔ ان کا کہنا ہے وہ اشیاء کی فطرت سے اعلیٰ زندگی کی اقدار کا استخراج کیا کرتا تھا۔

اگرچہ ہیوم اور کانٹ اس کے ناقد بھی ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ سپائی نوزا جیسی شاندار دفاعی منطق کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی۔

PART-II

Concerning the nature and origin of the mind perface.

اب میں ان اشیاء کی تشریح کروں گا جو کہ خدا کے جوہر سے وجود میں آئیں وہ ابدی اور لامحدود ہیں۔

ہم تمام اشیاء کے بارے میں تو بحث نہیں کر سکتے (کیونکہ وہ تعداد میں لامحدود اور خواص میں مختلف ہیں) لیکن ہم صرف ان پر بات کریں گے جو کہ انسان کے علم میں ہیں۔

☆☆☆☆☆

Definations

I- جسم کے حوالے سے (جیسے تحریروں کا مجموعہ) میں سمجھتا ہوں کہ ان تحریروں کی تخلیق جو کچھ ان میں بیان ہوا ہے' جو ہر خدا کا ہی حصہ ہے۔

II- میں سمجھتا ہوں کہ IDEA ذہن میں بننے والا ایک تصور ہے جو کہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان ایک سوچنے والی چیز ہے۔

تشریح

ذہن میں کوئی تصور ہی اس بات کی علامت ہے کہ کوئی عمل ذہن میں بننے والے تصور سے ہی عمل میں آتا ہے۔

V۔ دورانیہ مطلق ہی موجودیت کا ثبوت ہے۔

VI۔حقیقت اور تکمیل ایک ہی چیز ہیں۔

Axioms

I۔ یہ ضروری نہیں کہ جوہر اصل انسان میں ظاہر ہو۔ کیونکہ فطرت کی ترتیب کسی انسان

میں مکمل ہوتی ہے کسی میں نہیں۔

II۔ انسان سوچ رکھتا ہے۔

IV۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ایک یقینی جسم کئی طرح سے متاثر ہوتا ہے۔

V۔ ہم تصور سے کسی جسم کو وجود نہیں دے سکتے۔

☆☆☆☆☆

Propositions

I۔ سوچنا ایک خدائی وصف ہے یا خدا ایک سوچنے والی چیز ہے۔

II۔ وسعت و ہمہ گیری ایک خدائی صفت ہے یا خدا ایک ہمہ گیر وسعت ہے۔

VII۔ ذہن کی ترتیب وہی ہے جیسی کہ اشیاء کی ترتیب

XI۔ انسانی ذہن میں ایک چیز کا تصور ابھرتا ہے جو کہ مادی طور پر وجود رکھتی ہے۔

XIII۔ انسانی جسم میں کوئی تصور نہیں ابھرتا بلکہ یہ تصور اس کے ذہن میں ابھرتا ہے۔

XXXI۔ ہم انفرادی اشیاء بہت کم وقفہ کے لئے دیکھتے ہیں اس لئے ہمیں ان کے بارے میں بہت کم علم ہوتا ہے۔

XVI۔ علم کا پہلا درجہ سطحی ہوتا ہے اس لئے اس میں سچائی نہیں ہوتی۔ علم کا دوسرا اور تیسرا درجہ لازمی سچ پر مشتمل ہوتا ہے۔

XVII۔ علم کا تیسرا اور دوسرا درجہ ہمیں سکھاتا ہے کہ پہلے درجے کے علم میں غلطی کی کیسے نشان دہی کی جائے۔

XVIII۔ جو کوئی حقیقی آئیڈیا رکھتا ہے وہ اس کی سچائی کے بارے میں بھی جانتا ہے۔ وہ متعلقہ چیز کے بارے میں سچائی پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔

XVVI۔ وسیع اور لامحدود علم کا منبع خدا ہے۔

XLVII۔ انسانی ذہن جو محدود علم رکھتا ہے وہ خدا کے جوہر اصل کے لامحدود اور وسیع علم سے ماخوذ ہوتا ہے۔

XLVIII۔ کوئی ذہن بھی بالکل آزاد ارادہ کا حامل نہیں ہوتا بلکہ آزاد ارادہ کا سبب صرف خدا کے جوہر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

XIV- Of the means by which eternal things are known.

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اوپر جن اشیاء کا ذکر آیا ہے ہمیں ان اشیاء سے نتیجہ اخذ کرنا چاہیے یہ اشیاء ہمارے ذہن میں ہوں یا مادی وجود رکھتی ہوں اس کے بعد ہی ہم آگے بڑھ سکیں گے اور جتنا ممکن ہو سکے گا ہم اسباب کے تسلسل کو ایک خاص ترتیب سے رکھتے ہوئے ایک سے دوسرا اسبب تلاش کرتے ہوئے جوہر اصل تک پہنچ سکیں گے۔

ذہن میں کوئی مطلق آزاد ارادہ نہیں ہوتا بلکہ ذہن کسی سبب کے باعث ارادہ کرتا ہے اس کا سبب خود کسی سبب کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ تسلسل یونہی چلتا رہتا ہے اور اس کی منزل کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ جوہر اصل میں جا کر ضم ہو جاتا ہے۔

اس کو ہم فراست کا فروغ کہہ سکتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اسباب کا تسلسل اور اصل ہستی ہر چیز میں انفرادی اسباب رکھتیں ہیں۔

اسباب کا یہ تسلسل خارجی اشیاء پر مخصوص ہوگا۔ انسان میں بہت سی کمزوریاں ہیں اس لئے وہ علت واسباب کے تسلسل کو سمجھے بغیر ہم انفرادی اشیاء کے مکمل علم تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے انسان کے لیے جوہر اصل کو سمجھ لینا ہی کافی ہے۔

☆☆☆☆☆

LEIBNIZ

لبنز

گوٹ فرائیڈ ولیم وون لبنز 1646ء میں لپزگ کے مقام پر پیدا ہوا اور 1716ء میں اس نے انتقال کیا۔ اس کی عمر اس وقت صرف چھ سال کی تھی جب اس کے والد کا انتقال ہو گیا اٹھارہ سال کی عمر میں اس کی ماں بھی چل بسی۔

اس میں سیکھنے کی غیر معمولی صلاحیت تھی وہ نوجوانی میں اپنی عمر سے زیادہ بڑا عالم تھا۔ اس نے قانون کی تعلیم حاصل کی اور صرف بیس سال کی عمر میں ARS (Combinatoria) ایک اہم مقالہ شائع کیا' بعد میں اس نے اس مقالہ میں اضافہ کرتے ہوئے اس نے ریاضی کی جدید دریافتیں شامل کیں۔

منطق اور ریاضی کی یہ دریافتیں اس کے جدید فلسفے کی بنیادیں ہیں۔

اس وقت جرمنی تیس سالہ جنگ کے خوف اور تباہی سے سنبھل نہیں پایا تھا۔ انتشار اور پسماندگی کافی حد تک موجود تھی۔ دانشورانہ زندگی سے وابستہ لوگوں کی اکثر تنظیمیں خفیہ تھیں۔ ان خفیہ تنظیموں میں شامل دانشور اور کیمیا دان یورپ کی جادو ٹونہ کی نشاۃ ثانیہ کی باقیات تھے۔ (اس وقت جادو ٹونہ کی سزا زندہ جلا دیا جانا تھا) مترجم

لبنز نے ان خفیہ سوسائٹیوں سے رابطہ قائم کیا لیکن فوراً ہی ان سوسائٹیوں سے رابطہ ختم کر کے وہ فرینکفرٹ اور مینز کے دربار میں چلا گیا۔

جہاں اس نے گرجوں کی یکساں حیثیت کیلئے قانون وضع کئے درباری کے طور پر اس کی زندگی ہمہ جہت تھی یعنی وہ۔ انتظامی افسر' بین الاقوامی قانون دان اور دیگر کئی حیثیتوں سے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا۔ اسکا مطالعہ بہت وسیع تھا اور اس کی ذہانت بھی قابل داد تھی اگر وہ

مذہب کے حوالے سے کیس جیتنا چاہتا تو مذہب کے حوالے سے اس قدر دلائل دیتا کہ جس کا کوئی جواب نہ ہوتا' اور اگر وہ سیکولرازم کے حوالے سے دلائل دیتا کہ فریق مخالف لاجواب ہو جاتا۔

انہیں دنوں اس نے سائنس' فلسفے' اور ریاضی کا بھرپور مطالعہ کیا۔

خاص طور پر اس نے ان دنوں کے مقبول فلاسفر اور سائنس دان ۔گلیلیو ۔ڈیکارٹ ۔ پاسکل' اور بوئیل' کا مطالعہ کیا۔اس کے بعد وہ رائیل سوسائٹی لندن میں داخل ہوا اور اکیڈمی آف سائنس پیرس کا رکن بنا۔ان دونوں سوسائٹیوں کو اس نے اپنے نظریہ طبعیات پر لیکچر دیئے

1672ء میں وہ ایک ڈپلومیٹک مشن پر پیرس گیا اور اس کے بعد وہ لندن گیا۔لندن میں وہ رائیل سوسائٹی کے سیکٹری "اولڈن برگ" سے ملا۔ یہاں وہ عظیم کیمیادان بوئیل اور کرسٹوفر ورن سے بھی ملا۔

1676ء میں وہ "ھیگ" میں سپائی نوزا سے ملا' اور "ڈیوک آف برنس وک" کے لائبریرین کا عہدہ سنبھالنے ہنوور پہنچا اس نے اعداد وشمار کے اصول تفریق و تکمیل کا فارمولا پہلے ہی وضع کیا ہوا تھا۔اس کے فطری فلسفے کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے پہلے ہی اس کے ذہن میں تھا اس نے اضافی طور پر ڈیوک آف برنس وک کے لئے جو کام کیا وہ بہت وسیع ہے۔لیکن وہ شائع نہ ہوسکا' یہ اس کی اپنی ریاضیاتی اور فلسفیانہ دریافتیں تھیں۔1684ء اور 1685ء میں مطلقیت' علم اور سچ پر اس کے مضامین شائع ہوئے ۔ 1687ء سے 1690ء تک وہ ویانا سے اٹلی تک سفر کرتا ہوا ہنوور واپس پہنچا اور اس نے ہاؤس آف برنس وک کی تاریخ لکھی اس کا یہ کام متنوع اور حیرت انگیز تھا اس میں اس نے قانون کی علمیت' ریاضی' اور فلسفہ کے حوالہ سے بہت کچھ لکھا۔

1700ء میں وہ برلن گیا اور وہاں پر پرشین اکیڈمی آف سائنسز کی بنیاد رکھی اس کے بعد وہ زار روس سے ملا اور اس نے روس میں ایک اکیڈمی کھولنے پر بات کی 1714ء میں وہ بیمار ہو گیا اور ہنوور واپس آ گیا۔ یہاں اسے معلوم ہوا "الیکٹور Elector" واپس لندن جا کر انگلینڈ کا بادشاہ بن گیا ہے۔ ان دنوں انگلینڈ میں اس کے دوست نیوٹن سے اختلاف شروع ہو گئے نیوٹن نے دعوی کیا تھا کہ اس کا "کلکولیس Calculas" کا آئیڈیا لیبنز نے چرا لیا ہے اس لئے کلکولیس کی ایجاد کا سہرا نیوٹن کے سر ہے

1716ء تک لیبنز کا عظیم اور وسیع کام جو کہ ریاضی اور فلسفے پر مشتمل تھا ابھی شائع نہیں ہوا تھا کہ وہ 1716ء میں ہنیوور کے مقام پر انتقال کر گیا۔ 1716 میں اس کا کام Essay,on goodness of God,The freedom of man and the origin of evil نام کے بغیر کے شائع ہوئے۔

☆☆☆☆☆

لبنز شاید اس جدید دینا کا ذہین ترین شخص تھا اس کا موازنہ نیوٹن کے ساتھ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے کارنامے بھی نیوٹن سے کم نہ ہیں وہ اپنے بارے میں کہتا ہے کہ جو مجھے جانتے ہیں وہ صرف میرے شائع شدہ کام کے حوالے سے جانتے ہیں وہ پورے طور پر مجھے نہیں جانتے۔ اس نے جدید علوم پر سینکڑوں مقالے لکھے اس کا پورا کام ابھی تک شائع نہیں ہو سکا وہ اس دور کا پہلا شخص تھا جو جدید علوم پر دسترس رکھتا تھا اور اپنے آپ میں ایک انسائیکلوپیڈیا تھا۔

اس نے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک گرجوں کے اتحاد کیلئے بہت کام کیا وہ یورپ میں مکمل طور پر امن قائم کرنا چاہتا تھا۔ وہ شماریات کی نئی سائنس کے نظریہ کا موجد بھی ہے۔ اس کے

علاوہ وہ علامتی منطق کا بانی بھی ہے علامتی منطق کو فطری زبان دینا چاہتا تھا۔اس نے علم بصارت کا مطالعہ بھی کیا اور ایک کلکولیٹنگ مشین کا نظریہ بھی دیا اس نے سائنسی تحقیق کو منظم کیا اور نئے زمانے کی مشینوں کی ایجاد میں اہم کردار ادا کیا۔اس کا فکر اور بصیرت، علم اور فن اس کی عظمت کی گواہی دیتے ہیں دراصل وہ اٹھارویں صدی کی ترقی کی بنیاد کا بانی تھا۔

اس کا فلسفیانہ نظام ایک مضبوط گانٹھ میں بندھا ہوا ہے بلکہ اسکا مختلف طرز کا واقعاتی کام بھی ایک مضبوط گرہ میں بندھا ہوا ہے اس کے اعلٰی ترین کام "مابعدالطبیعات "پر گفتگو سمجھ بوجھ پر نئے مضمون تحفظ انسانیت، خطوط (سموئیل کلیرک کے نام) نیوٹن کے فلسفیانہ ریاضی کے اصول ہیں۔

مندرجہ ذیل اقتباسات اس کے "مضامین "اور خطوط سے لیے گئے ہیں۔

لبنز دو طرح کے بیانات کو نمایاں طور پر بیان کرتا ہے۔ایک وہ بیانات جو لازمی سچ ہیں۔ یہ غیر اختلافی اصول کے حوالے سے صرف سچ کو بیان کرتے ہیں۔دوسرے وہ امکانی بیانات ہیں جو کہ غیر اختلافی اصول کے حوالے سے پورے طور پر سچ کو بیان نہیں کر سکتے۔

یہی امتیاز لبنز کے فلسفے کا مرکز ہے۔

اس میں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ منطقی طور پر کس حد تک ممکن ہو سکتا ہے لیکن جو چیز منطقی طور پر ممکن ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ حقیقت پر مبنی ہو۔لیکن بہت سی چیزیں حقیقت میں وجود رکھتی ہیں لیکن یہ بات یقینی ہے کہ ایک فیض رساں روح یا خدا ضرور موجود ہے۔

ہم اس بات کا ادراک بھی کر چکے ہیں کہ وہ فیض رساں اور تمام طاقتوں کا منبع ہے۔ اور وہ بہترین منطقی ممکنات کا حامل ہے۔ہم جانتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو اعلٰی ترین ممکنات سے

منطقی طور پر پسند کرتا ہے وہ ہمیشہ سے ہی سچ پر مبنی بیانات کا مظہر ہے۔ وہ مفروضہ جو کہ بہترین اعداد کی ترتیب سے چھوٹے ترین اعداد کی علت سے نتائج پیدا کرتا ہے۔ لیکن اس ترتیب میں بھی اسی کا مظہر ہے۔ ہمیں اس اصول کو استعمال کرنا چاہیے کہ خدا ہی ہر چیز کو اپنی مرضی سے تخلیق کرتا ہے۔ یعنی ہر چیز کا سبب اسی کی مرضی ہے۔

ہم اس اصول کو اپنا کر ہر چیز کی تشریح کر سکتے ہیں۔ لبنز کا خیال ہے کہ اس طرح اس نے اس عام طریقہ سے سائنس میں دریافت کا اصول وضع کیا ہے۔ وہ اس طریق سے مختلف سائنسوں میں نیا قریبی تعلق قائم کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ہر کہیں اسی طرح کے چند ایک سادہ اور عام اصولوں کی ترتیب سے ہم لازمی سچ کو دریافت کریں گے۔

لبنز محسوس کرتا ہے کہ جوہر اعلیٰ، منطق اور ریاضی میں کوئی فرق نہیں یہ ایک ہی چیز ہیں ان میں اگر سچ کے ممکنات کو تلاش کرنا ہو تو اعداد کے شمار یا میکینکل طریق برتنے سے کائناتی منطق کے اختتام پر اس کا خلاصہ ظاہر ہوگا۔

ان منطقی اصولوں کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا لبنز اس بات پر زور دیتا ہے۔ کہ یہ کائنات خدا کے کریم النفس انتخاب کی آزاد مرضی سے تخلیق ہوئی ہے۔ ہمیں اس کے مشتملات پر غور کرنا ہوگا۔ جو کہ اس نے جوہر اعلیٰ کے بارے میں نتائج اخذ کرتے ہوئے بیان کئے ہیں۔ وہ اسے اصل وحدت قرار دیتا ہے اس کا ہر عنصر اپنے آپ میں وہی خصوصیت رکھتا ہے جو کہ جوہر اعلیٰ میں ہیں۔ ان عناصر میں کوئی باہمی عمل نہیں ہے بلکہ جوہر اعلیٰ اور عنصر ایک ہی چیز ہیں۔ لبنز اس کو ایک ایسے کمرہ کی مانند قرار دیتا ہے جس میں کوئی کھڑکی یا دروازہ نہیں ہے۔ عناصر کا یہ نظریہ منطقی اصول کی مابعد طبعیات کا حصہ ہے جو کہ کسی بھی حقیقت کی توثیق کرتا ہے۔

جوہر اعلیٰ کے تمام اوصاف لازمی طور پر ان عناصر میں پائے جائیں گے، اگر انسانی

اذہان اس قابل ہوں کہ وہ ان عناصر کا لامحدود حد تک تجزیہ کر سکیں۔تو ہم یہ ثابت کرنے کے قابل ہو جائیں گے کہ تمام عناصر حقیقی ہیں۔

ہر جوہر کے عناصر دوسرے جوہر کے عناصر سے مختلف ہوں گے۔اور ان کے وصف اپنے جوہر اعلیٰ کے اوصاف سے مستعار ہوں گے۔

لبنز کا نظام غیر معمولی وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ نظاماتی فلسفہ' شناخت موضوع اور وصف لازمی اور امکانی' وجود' سچ اور علم پر مشتمل ہوتا ہے۔

خدا نے جو اپنی مرضی سے جو دنیا تخلیق کی وہ قابل ادراک ہے اور اس لیے خدا نے دنیا تخلیق کی اس کے چند کائناتی اصولوں کی شناخت ضرور ہونی چاہیے، جو کہ ہمارے مفروضوں کی تشریح و وضاحت کے لیے رہنمائی کرے۔

لبنز کی اس بحث میں کافی الجھاؤ ہے لیکن وہ اس میں لچک پیدا نہیں کرتا۔اس کی کچھ ایسی ہی مشکلات کا ذکر ہم کرتے ہیں کہ وہ یہ الجھاؤ کیسے پیدا کرتا ہے۔لیبنز نے اپنے ابتدائی فلسفے میں جو منصوبہ ترتیب دیا تھا وہ اس کو کبھی بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔جبکہ اس نے اس کے مختلف پہلوؤں پر بہت زیادہ کام کیا اس کا یہ منصوبہ کائناتی کردار کا تھا لیکن وہ اس میں سے ابہام کی مشکلات کو خارج نہ کر سکا اس کے علاوہ زبان کی مشکل اور الجھاؤ کو بھی وہ دور نہ کر سکا۔اس کے اس کام پر سترھویں اور انیسویں صدی میں کافی بحث ہوئی ہے۔

لبنیز کا ایک ایسی زبان کے بارے میں تصور جو کہ مثالی ہو علامتی طور پر لازمی جیومیٹری کو اس زبان میں استعمال کیا جائے۔اس کا یہ تصور زبان اور علامتی نظام آنے والے مفکرین کے لئے پیش رو اور نقیب کی حیثیت سے اس علامتی نظام کی زبان کو انیسویں صدی میں بوئیل اور سکارڈ نے استعمال کیا۔اور فریگ ' رسل' اور وائٹ ھیڈ نے اس کو خوب ترقی دی اس زبان کو سائنس اور ریاضی کے کئی حوالوں سے استعمال کیا گیا۔ بلکہ آج کل بھی اس

علامتی زبان سے کام کیا جاتا ہے۔اس نظاماتی حقیقت میں ایسی اقدار ہیں جو کہ منطق کے مطالعہ اور ریاضی کے مطالعہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

لبنز کا اصل کام کیلکولیس کے حوالے سے زیادہ مقبول ہے اٹھارویں صدی کے عقیدۂ رجائیت میں اس کو استعمال کیا گیا۔

On Method 'Preface to the general Science1677 " "

یہ تو ظاہری بات ہے اگر ہم کرداروں یا مخصوص نشانات کی نشان دہی اپنے خیالات کے خطوط کیلئے کرسکیں تو مطلق طور پر ہندسوں سے ریاضی یا جیومیٹری کے خطوط سے ہم تجزیہ کرسکتے ہیں اس طرح ہم تمام دیگر اشیاء کا ادراک ریاضی اور جیومیٹری کے اصولوں سے کرسکتے ہیں۔

The philosophy of leiloning to a greater extent then "any other

ذیل میں لبنیز کی وہ ٹھوس امثال پیش کی جارہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لبنیز اپنے فلسفے میں واقعی کامیاب ہے اس نے جو فلسفہ تشکیل دیا اور جو اصطلاحات استعمال کی گئیں وہ اپنی جگہ ٹھوس اور جامع ہے۔اس کا دوسرا معیاری کام وہ ہے جس میں مابعد طبیعاتی نظام مکمل اور فطری طور پر اس کے فلسفے سے منسلک ہے۔اس کا نظریہ کہ یہ دنیا ایک ایسے مکان کی مانند ہے جو کہ کھڑکی اور دروازے کے بغیر ہے وہ بھی جامعہ ہے اور اس کا نظریہ آزدانہ مرضی کی بھی بنیاد اس کے منطقی اصولوں کی بنیاد پر ہے اس کے علاوہ نظریہ امکان وزمان کی بنیاد بھی شعوری طور پر اک ضابطے سے منسلک ہے۔

☆☆☆☆☆

Logic and the foundations of the sciences.

The principle of Sufficient reason.

اسباب کے دو بنیادی اصول ہیں "اصول اختلافی" اور "اصول غیر اختلافی" اصول اختلافی میں وجہ معلوم ہوتی ہے اور اس میں ایک ثبوت موجود ہوتا ہے اس اصول کے تحت کچھ بھی بغیر وجہ کے نہیں ہوتا۔ یہ اصول طبیعات اور میکانیات میں یہ اصول کارفرما ہوتا ہے۔ ارشمیدس نے قانون کو استعمال کرتے ہوئے فزکس میں نام پیدا کیا۔ اس طرح جیومیٹری اور ریاضی میں بھی بغیر وجہ کے کوئی ردوبدل نہیں ہوتا۔

Identity In Individuals and True propositions.1686

ہم ایک سیدھا خط ABC کھینچتے ہیں جو کہ ایک مخصوص وقت کو بھی ظاہر کرتا ہے اور پھر ہم سوچیں کہ میں اس وقت موجود ہوں یعنی جب خط AB کھینچا گیا تو میں اس وقت موجود تھا۔ اور جب خط BC کھینچا گیا تو بھی موجود تھا۔

ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وقت A اور B کے درمیان میں پیرس میں موجود تھا جبکہ وقت BC کے دوران میں جرمنی میں تھا ہم یہ جو کہہ رہے ہیں اس کے حقیقی ہونیکی وجوہات موجود ہیں۔ تو یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ وقت A اور B کے دوران پیرس میں میری موجودگی میری انفرادی ہستی کی تصدیق ہے۔

یعنی محاکمہ نفس میری ذات کی انفرادی شناخت ہے۔ اس حقیقت میں یہ علامت موجود ہے کہ جوہر اعلیٰ اور اس کے اوصاف بھی میری ہستی سے منسلک ہیں اس لئے میری ہستی کا زمان ومکان وہی ہے جو کہ جوہر اعلیٰ اور اس کے اوصاف کا اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی ہستی کے اجزاء ہیں جو کہ ایک ہی زبان ومکاں میں موجود ہیں۔

جب میں نے اپنی ہستی باوجود کا ادراک کر لیا ہے تو اب میں کہہ سکتا ہوں کہ فلاں چیز میرے حوالے سے ہو رہی ہے۔ یہی انفرادی شناخت یا ہستی میری انا ہے۔ میری انا ہی

بنیادی طور پر میرے مختلف عمال کی ذمہ دار ہے۔ اسی اصول پر خدا کو بھی پورے طور پر جانا جا سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر وصف، کریم النفس روح، ماضی، حال یا مستقبل وغیرہ میں ایک ہی جوہر اعلیٰ ہے۔ ہر روح اس کائنات کا جزو ہے۔

خدا ایک ایسی روح ہے جو کہ لافانی اور دائمی ہے اسی کے جوہر اعلیٰ سے ہر چیز وجود رکھتی ہے۔ یعنی جسم و روح کے درمیان جو رشتہ ہے وہ جوہر اعلیٰ کی وجہ سے ہے۔

On Newton,s Mathematical principles of philosophy.

5- ان عظیم اصولوں میں ایک خاص سبب ہے کہ یہ غیر محسوس انداز سے مابعد طبعیات کی ہیت کی شناخت کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان اصولوں کی وجہ سے یہ سائنس حقیقی اور مظہری بن جاتی ہے۔ اس سے پہلے یہ عام خالی خولی الفاظ پر مشتمل تھی۔

6۔ فرض کیجیے دو چیزیں نا قابل ادراک ہیں، فرض کریں ان کے نام بھی رکھ دیئے گئے ہیں ۔ فرض کریں کہ یہ زمان و مکان میں ان کی دوسری حیثیت حقیقی ہے۔ اسی زمان و مکان میں دوسری تمام اشیاء کا تعلق بھی کائنات سے وہی ہے تو یہ پھر بھی مفروضہ ہی رہے گا، یہ ایک ناممکن کہانی ہے۔

وہ ضروریات جن کر معقول طور پر قبول کر لیا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی مطلق اور فرضی ضرورت کے درمیان امتیاز کریں اور اس ضرورت کے بھی جو کہ متضاد ہے (جس کو منطقی طور پر مابعد طبعیاتی یا ریاضیاتی ضرورت کہا جاتا ہے) اور وہ ضرورت جو کہ اخلاقی ہے اور ہر عقل مند انسان اس کو اپنے لیے منتخب کرتا ہے۔ دراصل یہ خدا کے علم کی پیش بندی ہے کہ مستقبل میں بھی ان اشیاء پر وہ اپنا مکمل کنٹرول رکھتا ہے۔

لیکن علم کی پیش بندی اور پہلے سے قائم شدہ دونوں خصوصیات ہی آزادی کیلئے اہانت آمیز نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا اپنے اعلیٰ شعور سے ہر چیز کو منتخب کرتا ہے۔ بہت سی اشیاء یا دنیا

میں ہونے والے ممکنات کا تسلسل اوران میں ہونیوالی تبدیلیاں ایک ہی سبب کی وجہ ہیں اور ان میں ہونیوالی آزادی تخلیق اسی سبب سے منسلک ہے۔ اس لئے ان میں سادہ سی تبدیلی بھی اپنی مرضی سے نہیں ہوسکتی۔ ان اشیاء میں آزاد فطرت اسی سبب سے ہوتی ہے۔

7۔ اخلاقی ضرورت بھی آزادی کے لئے اہانت آمیز نہیں ہے۔ جب کوئی ذی شعور خاص کر "خدا" جو کہ اعلیٰ ترین فہم کا حامل ہے وہی اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ کیا چیز بہتر ہے اس لئے وہ اس چیز میں آزادی جیسی چیز کو بھی اپنے نظام فطرت کے تابع رکھتا ہے۔ اس آزادی کو ہم اہانت آمیز نہیں بلکہ انفرادی مکمل آزادی کا نام دیں گے۔

جب کوئی واضع طور پر اور بہترین فہم سے کسی چیز کو منتخب کرتا ہے تو دراصل وہ اعلیٰ ترین فہم کی نقالی کررہا ہے۔

8۔ لیکن اچھائی اور واضع سچ دونوں ہی کا محرک اور مقصد ایک ہی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی جانب بغیر کسی لازمی شرط یا ضرروت کے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔

جب خدا (جوہر اعلیٰ) کسی چیز کو بہتر طور پر منتخب کرتا ہے۔ تو وہ چیز کسی طور پر بھی بے کار نہیں ہوتی اسکے ساتھ ایک مطلق ممکن ضرورت ہوتی۔ لیکن جب خدا کسی چیز کو غیر ضروری طور پر منتخب کرتا ہے تو وہ چیز کسی صورت میں بھی کار آمد اور ممکن نہیں ہوسکتی۔

لیکن خدا جب کسی چیز کو مطلق طور پر ضروری قرار دیتا ہے تو کوئی بھی متبادل اس کو غیر ضروری نہیں بتاسکتا۔

9۔ اس بات کو دوسرے الفاظ میں اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ خدا صرف بہتر منتخب کرسکتا ہے۔ اس سے استخراج کیا جاسکتا ہے کہ وہ غیر ممکن کو بھی بہتر طور پر منتخب کرسکتا ہے۔

اس میں کچھ اصطلاحات ہیں۔ جو کہ اوہام پیدا کرسکتیں ہیں۔ جیسے کہ طاقت ور مرضی، مابعد طبعیاتی ضرورت، اخلاقی ضرورت، جوہر اعلیٰ اور موجودیت وغیرہ۔

10۔ اخلاقی ضرورت ایک اچھی چیز ہے۔ یہ خدا کی تکمیل سے منسلک ہے۔ اور یہ عظیم اصول یا زمینی حقائق سے بھی منسلک ہے۔ اور یہی سبب اسکے لئے کافی ہے جبکہ مابعد طبعیاتی ضرورت دوسرے عظیم اصولوں پر انحصار کرتی ہے۔ جیسا کہ جوہر اعلیٰ جو کہ اصول شناخت یا اصول تضاد سے منسلک ہے۔ جبکہ کوئی مطلق ضرورت صرف ممکن طریق سے اس کے ساتھ اصول تضاد منسلک ہو۔

روح اور جسم کے درمیان ہم آہنگی کا معجزہ ابدی نہیں ہے۔ لیکن اسکا اثر یا نتیجہ اس کی اصل سے منسلک ہے۔ یہ معجزہ اشیاء میں یقینی تخلیق کے حوالے سے کام کرتا ہے جیسا کہ تمام قدرتی اشیاء میں ہوتا ہے۔

یقیناً یہ ایک ابدی عجوبہ ہے یہ ابدی عجوبہ تمام قدرتی اشیاء میں ہوتا ہے۔ فکری ہم آہنگی کی یہ اصطلاح ایک فن ہے۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں لیکن یہ فنی جز بغیر کسی مشتملات کے ہے اس کی بہت ہی ادراک سے تشریح کی جا سکتی ہے۔

ہر سادہ جوہر اعلیٰ کی قدرتی روح یا حقیقی نظریہ میں آخر کار ایسا ہی انجام ہوتا یعنی جوہر اعلیٰ سے ہم آہنگی۔

خدا نے آفرینش عالم سے ہی سادہ طور سے اس ضرورت کو پورا کر دیا تھا۔ اَب کائنات میں ہر چیز اسی جوہر اعلیٰ کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس طرح تمام اشیاء میں اس جوہر کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اب ان اشیاء کو اپنی نمائندہ حیثیت سے اسی کائنات میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔

میرے خیال سے روح جسم کے قوانین کو منتشر نہیں کرتی اور نہ ہی جسم روح کے قوانین کو منتشر کرتا ہے کیونکہ جسم اور روح ایک دوسرے سے متفق ہیں ایک آزدانہ عمل حتمی اسباب کے ضوابط کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن یہ ہماری روح کی آزادی کے لئے اہانت آمیز نہیں

ہوتا' یہ آزادی بھی حتمی اسباب کے اعمال کی بنیاد پر ہوتی ہے یہ اسباب ہمارے علم سے پیدا ہوتے ہیں اور ہمارے جسم کے میکانکی عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

Reflection on Knowwldge, TRUTH and Ideas.

ہم یہاں ان نامزد اصطلاحات کو نمایاں کریں گے۔ جو کرداروں کے حوالے سے ایک دوسرے سے الگ پہچانی جاتی ہیں جو کہ ممکن اشیاء کی نمائش سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہم یہاں ھابس کے نظریہ کی دلیل پیش کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ تمام حقائق اپنی مرضی اور خواہش سے پیش کئے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ حقائق نامزد اصطلاحات پر انحصار کرتے ہیں۔ اس کے لئے وہ اصطلاحات میں حقیقت کو مدنظر نہیں رکھتا کیونکہ اصطلاحات کے مواد میں ہم اپنی مرضی سے کمی بیشی نہیں کرسکتے۔ اسطرح وہ ان اصطلاحات کے حوالے سے سچ اور جھوٹ میں فرق کو نمایاں کرتا ہے۔

کسی نظریہ کی سچائی اس کے ممکن اسباب سے ہے اور کچھ اس کے متضاد ہے وہ غلط یا جھوٹ ہے۔

دوسری جانب ہم سابقہ تجربہ کے حوالے سے ممکن اشیاء کی اصلیت کے بارے میں جان لیتے ہیں اور دوسری ممکن اشیاء پر بھی یقینی طور پر ایسے ہی نتائج حاصل ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

ON THE ULTIMATE ORIGIN OF THINGS.

اگر محدود اشیاء کے اجزاء کو جمع کیا جائے تو ہم یقینی طور پر ان میں ایک تسلط پائیں گے۔ یہ چیز اس سے الگ ہے کہ جیسے میرے اندر روح یا میری ذات جو کے میرے جسم کے اندر ہے بلکہ اس سے ماورا۔ اتحاد کے اس تسلط سے صرف کائنات اس دنیا پر تسلط قائم کئے ہوئے

نہیں بلکہ اس ضابطہ کے تحت نت نئی تخلیق بھی کرتی ہے۔ یہ چیز غیر دنیاوی یا ماورائے عالم مادی ہے۔' یہ اشیاء میں غیر محدود سبب کا باعث ہے۔

کوئی انفرادی چیز یا بہت سی چیزوں کا مجموعہ ان تمام میں موجودیت کا سبب موجود ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

Theory of Knowledge and the external World.

لبنز اپنے مضمون "NEW Essay" میں لاک کے نظریات پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے جو کہ لاک نے 1690ء میں "Human Understanding" کے حوالے سے لکھے لاک کے اس مضمون نے بہت گہرے اثرات چھوڑے تھے۔

لاک نے جبلت یا پیدائشی نظریہ قائم کرتے ہوئے کہا تھا کہ تجرباتی نام کے نظریات کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لیکن لبنز کا کہنا ہے کہ ان نظریات کا وجود ہے۔ وہ اس سوال کو خوبصورت انداز میں اٹھاتے ہوئے انتہائی باریکی اور نفاست سے اس کا جواب دیتا ہے۔ لاک نے اس سلسلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ ہم اپنے مشاہدہ نفس اور تحقیق سے موجودگی یا غیر موجودگی کے جبلی نظریات کا تجربہ کر سکتے ہیں۔

لبنز اس کو تجربی نہیں بلکہ منطقی مسئلہ قرار دیتا ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ اگر تجربی مسئلہ ہے تو اس کا استخراج بے نتیجہ ہے کیونکہ جب تک کوئی اپنے مشاہدہ نفسی سے گزرتا ہے تو وہ اپنی ذات کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کر سکتا ہے دوسرے کے بارے میں نہیں۔

☆☆☆☆☆

Discourse on Metaphysics 1685 مابعد طبعیات پر گفتگو

vi۔ خدا کی مرضی عام طور پر معمولی اور غیر معمولی کاموں میں بٹی ہوئی ہے لیکن یہ بات طے

ہے کہ خدا اپنی فطرت کے خلاف کچھ نہیں کرتا۔ وہ اشیاء کی تخلیق غیر معمولی میں غیر معمولی ضوابط کو استعمال کرتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اصول وضوابط کے تحت ہوتا ہے اور ضوابط کے خلاف کچھ بھی نہیں ہوتا یہاں تک کے ہمارے ذہن میں آنیوالے خیالات بھی ضوابط کے پابند ہوتے ہیں۔

ہم مثال کے طور پر فرض کرتے ہیں کہ کسی چیز کے ذرے لیتے ہیں انہیں اعداد کے اعتبار سے بے سوچے سمجھے ایک کاغذ پر رکھے جاتے ہیں۔ تو ہم دیکھیں گے کاغذ پر جیومیٹری کی ایک بے ڈھنگی سی شکل بن جائیگی۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ معمولی شکل بھی کسی ضابطے سے وجود میں آئی ہے۔

☆☆☆☆☆

New essays on the Human understanding.

ہم اس مسئلہ کے سوال پر کہ روح بذات خود اندرونی طور پر خالی خولی ہے۔ جس طرح ایک خالی کھانے کی گولی ہو جس پر کچھ بھی نہ لکھا۔(TABULA RASA) یہ نظریہ ارسطو اور مذکورہ مضمون کی صنف "لاک" کا بھی ہے۔

جبکہ کچھ مفکرین کا کہنا ہے کہ روح کے بارے میں بہت ہی کم سمجھا گیا ہے اور اس پر بہت کم تجربہ کیا گیا ہے۔ جبکہ افلاطون، دیگر کئی فلاسفر، سینٹ پال اور رومن بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ خدائی قانون انسان کے دل میں لکھا ہوتا ہے۔ اس سے ایک ایسا سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام حقائق تجربے کے محتاج ہیں۔ جبکہ یہ سب کچھ قیاس پر مبنی ہے۔

اصل علم کے لئے حسیات کا ہونا ضروری ہے۔ اسطرح ہم انفرادی یا مجموعی حقائق تک پہنچ سکتے ہیں۔ تمام امثال جو کہ سچ کو واضع کرتی ہیں۔ وہ کائناتی ضرورت کو پورا کرتیں

ہیں۔ اگر ان کے عمل کو دوبارہ دھرایا جائے تو وہی نتائج آئیں گے ایسے یقینی حقائق ریاضی میں پائے جاتے ہیں اور خاص کر جیومیٹری میں ان حقائق کیلئے کسی مثال کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مخصوص اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہم روح کے قوانین کو کھلی کتاب کی طرح نہ پڑھ سکتے اور نہ ہی تصور میں لا سکتے ہیں۔ لیکن جب اسباب واضع ہوں گے تو ہم حقیقت تک حسیات کی مدد سے سچ تک پہنچ جائیں گے۔

میں نے اس بات کا مشاہدہ بھی کیا ہے کہ دو مختلف چیزیں بالکل ایک طرح کے نتائج نہیں دے سکتیں۔ ان میں حسابیاتی اختلاف ضرور ہوگا۔ یہ بات روح کی خالی گولی کے تصور کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ بات بھی واضع ہوگئی کہ روح خیال کے بغیر نہیں ہوتی اور جوہرِ اعلیٰ بغیر عمل کے نہیں ہوتا۔